

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (النساء ۱۱۳)

# منکرینِ حدیث

کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات

حافظ جلال الدین القاسمی

(فاضل دارالعلوم دیوبند، ایم اے میسرورہ فیورٹی)

تقدیم و نظر ثانی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

ترجیح و تصحیح

مولانا محمد ارشد کمال

مکتبہ افکار اسلامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾﴾

(٤/ النساء: ١١٣)

# منکرینِ حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات

تالیف

حافظ جلال الدین قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند، ایم اے میسور یونیورسٹی (انڈیا)

تخریج و تحقیق

مولانا محمد ارشد کمال

تقدیم و نظر ثانی

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

مکتبہ افکارِ اسلامی

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	منکر میں حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات
صفحات	:	۷۲
مؤلف	:	حافظ جلال الدین قاسمی
تخریج و تحقیق	:	مولانا محمد ارشد کمال
تقدیم و نظر ثانی	:	ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن
اشاعت اول	:	اگست، ۲۰۱۴ء
تعداد	:	۱۱۰۰
مطبع	:	مکتبہ اسلامیہ پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر	:	مکتبہ افکار اسلامی



مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غوثی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 - 37232369  
بیسمنٹ سمت بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204 - 2641204

E-mail: maktabaislamiapk@gmail.com www.facebook.com/maktabaislamiapk

## فہرست مضامین

- 4 ..... تقدیم (ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن) \*  
 9 ..... تصدیق (مؤلف) \*  
 12 ..... حدیث کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت \*  
 16 ..... حجیت حدیث کے دلائل \*  
 21 ..... تبیین رسول ﷺ اور اس کی مثالیں \*  
 28 ..... معیار تحقیق \*  
 29 ..... خبر واحد کی حجیت قرآن سے \*  
 29 ..... خبر واحد کی حجیت حدیث سے \*  
 30 ..... احادیث کی حفاظت کا عملی اہتمام \*  
 32 ..... عہد رسالت میں حدیث کی کتابت و حفظ کا ثبوت \*  
 34 ..... تبیان لکل شیء کا مفہوم \*  
 34 ..... تفصیلاً لکل شیء کا مفہوم \*  
 35 ..... احادیث کے ضعیف و موضوع ہونے پر اعتراض \*  
 36 ..... امام بخاری معصوم نہیں تھے \*  
 36 ..... بخاری میں بدعتی راویوں کا اشکال \*  
 38 ..... صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اشکالات اور ان کے جوابات \*  
 41 ..... عذاب قبر \*  
 43 ..... حدیث ثلاث کذبات \*  
 44 ..... حدیث زنائے فردة \*  
 46 ..... نبی ﷺ پر جادو اور اس کی نوعیت \*  
 53 ..... نبی ﷺ پر جادو کو قرآن کے خلاف قرار دینے کی مغالطہ انگیزی (از شہباز حسن) \*  
 65 ..... دجال \*  
 69 ..... ظہور مہدی \*  
 69 ..... ظہور مہدی \*  
 69 ..... ظہور مہدی \*

## تقدیم

(منکرین حدیث کے اشکالات پر طائرانہ نظر)

اسلام میں داخل ہونے کے لیے قرآن ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث کا انکار کر دے تو اس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ مگر مستشرقین کے پیدا کردہ شبہات سے بعض مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

ان کے چند اہم اشکالات کا اجمالی خاکہ مع جوابات ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) **اشکال**:..... قرآن ہی کافی ہے، حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

**جواب**:..... قرآن کافی ہونے سے یہ مراد نہیں کہ حدیث و سنت کی ضرورت نہیں۔ قرآن نے خود حدیث و سنت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

(۱) **اشکال**:..... قرآن میں وحی کی پیروی کرنے کا تذکرہ ہے اور وحی صرف قرآن ہے!

**جواب**:..... وحی صرف قرآن نہیں۔ قرآن کے علاوہ وحی کا ثبوت قرآن میں بھی ہے۔

(۳) **اشکال**:..... قرآن میں کل شئیء (ہر چیز) کی تفصیل اور وضاحت ہے لہذا حدیث کی

کیا ضرورت ہے؟

**جواب**:..... قرآن میں تمام شرعی امور کی تفصیل اور وضاحت نہیں ہے، مثلاً ارکانِ اسلام۔ کل

شئیء کا معنی و مفہوم سیاق و سباق سے متعین کیا جائے گا۔

(۴) **اشکال**:..... قرآن کی تفسیر کے لیے اگر حدیث کی ضرورت ہو تو پھر قرآن کو حدیث کا

محتاج ماننا پڑے گا!

**جواب**:..... قرآن سمجھنے کے لیے نہ صرف حدیث بلکہ دیگر وسائل کی بھی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے نبی ﷺ پر قرآن میں ہی یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ آپ قرآن کی وضاحت کریں اور قرآن

کی تعلیم دیں۔

(۵) **اشکال:**..... حدیثی تفسیر کو تسلیم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن نبی کی خواہش کے مطابق نازل ہوا ہے!

**جواب:**..... آپ کی خواہش شریعت کے تابع تھی، کوئی غلط چیز یا شیطانی وسوسہ آپ پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ آپ کی پسند کے مطابق حکم نازل ہونا قرآن سے بھی ثابت ہے۔

(۶) **اشکال:**..... احادیث میں نبی ﷺ کے بھولنے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لہذا حدیث پر اعتبار کیونکر ہو سکتا ہے؟

**جواب:**..... انبیاء ﷺ کے نسیان سے دین و شریعت پر کوئی حرف نہیں آتا، یہ نسیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔

(۷) **اشکال:**..... قرآن کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے کی ہے جبکہ احادیث انسانوں کی تحریر کردہ ہیں اور سُن سُن کر لکھی گئی ہیں!

**جواب:**..... حدیث کی بھی اسی طرح حفاظت ہوئی جس طرح قرآن کی ہوئی ہے۔ قرآن کی حفاظت بھی انسانوں کے ذریعے کی گئی۔

(۸) **اشکال:**..... بہت سی احادیث قرآن کے خلاف ہیں۔ احادیث کو قرآن پر پیش کیا جائے، جو قرآن کے مطابق ہوں وہ تسلیم کر لی جائیں اور دیگر کو مسترد کر دیا جائے۔

**جواب:**..... کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں۔ احادیث کو قرآن پر پیش کرنا ثابت نہیں۔ مسلمان ایسی بہت سی احادیث کو صحیح مانتے ہیں جو ظاہری طور پر قرآن کے خلاف دکھائی دیتی ہیں۔

(۹) **اشکال:**..... احادیث کی بنا پر تفرقہ بازی پھیلتی ہے!

**جواب:**..... احادیث پر عمل کرنے سے اختلاف ختم ہوتا ہے جبکہ انہیں تسلیم نہ کرنے سے تفرقہ بازی پھیلتی ہے، کیونکہ دریں صورت ہر کوئی من مانی تفسیر کرنے لگتا ہے۔

(۱۰) **اشکال:**..... احادیث اگر من جانب اللہ ہوتیں تو ان میں تضاد نہ ہوتا!

**جواب:**..... صحیح احادیث میں باہمی کوئی تضاد نہیں۔ ظاہری تضاد تو قرآنی آیات میں بھی ہے۔

**(۱۱) اشکال:**..... احادیث تو نبی ﷺ سے صدیوں بعد لکھی گئی تھیں وہ حجت کیسے ہو سکتی ہیں نیز

احادیث لکھنے سے منع کیا گیا تھا تو لوگوں نے احادیث کیوں لکھیں؟

**جواب:**..... احادیث عہد نبوی اور عہد صحابہ میں بھی لکھی جاتی تھیں، مثلاً شرائطِ صلح حدیبیہ، خطوط

نبوی، مسند ابو ہریرہ، صحیفہ صحیحہ وغیرہ۔

**(۱۲) اشکال:**..... احادیث بالمعنی روایت کی گئی ہیں ان پر اعتبار کیسے کیا جاسکتا ہے!

**جواب:**..... بعض احوال میں روایت بالمعنی کی اجازت ہے۔ روایت بالمعنی کا اصول قرآن سے

بھی ثابت ہے۔

**(۱۳) اشکال:**..... احادیث اخبار آحاد بھی ہیں انہیں کیسے درست تصور کیا جاسکتا ہے؟

**جواب:**..... خمیر واحد کو تسلیم کرنے کا ثبوت قرآن سے بھی ملتا ہے۔ شخص باعتبار ہوا تو بسا اوقات اس

کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسی قسم کی کئی اور مغالطہ انگیزیاں اور اشکالات ہیں۔

مؤلف ایک ثقہ عالم دین ہیں۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے بعد میسور

یونیورسٹی (ہندوستان) سے اردو میں ایم اے بھی کیا ہے۔ کئی زبانوں پر آپ کو دسترس حاصل

ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں آپ کی شخصیت اور دینی خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

شیخ جلال الدین قاسمی نے فتنہ انکار حدیث کے موضوع پر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلم

اٹھایا ہے۔ اس کتاب میں ان اشکالات و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جنہیں عام طور پر منکرین

حدیث عوام میں بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کر کے انہیں گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کرتے

ہیں۔ آپ نے منکرین حدیث کی طرف سے پیش کیے جانے والے بہت سے اعتراضات اور

اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیے ہیں۔ طالب حق کے لیے اس کتاب میں راہنمائی کا وافر

سامان موجود ہے۔ یہ کتاب ان کے پیش کردہ اشکالات و شبہات کا قلع قمع کرنے کے لیے

مدد و معاون ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

اس نسخے کو تخریج، تحقیق، تقدیم، اضافہ جات اور نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے، تخریج و تحقیق مولانا محمد ارشد کمال رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ جس سے کتاب کی افادیت اور استنادی حیثیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اس تالیف کو پہلی بار برادر م عاصم عبداللہ، فیت والا پہلی کیشن ہاؤس (انڈیا) کی طرف سے شائع کیا گیا، لہذا اس سلسلے میں خشت اول رکھنے کا سہرا انہی کے سر ہے۔

اس اشاعت کے فوراً بعد تخریج و تحقیق کے ساتھ اسے مکتبہ افکار اسلامی کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس اشاعت کی اضافی خوبیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب کا نام مؤلف کی اجازت سے 'حجیت حدیث در موقف انکار حدیث' کی بجائے 'مکرمین حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات' رکھا گیا۔

۲۔ پروف ریڈنگ کی اغلاط کی تصحیح کی گئی، نیز الفاظ اسکو، اسکی، اسکے، انکو، انکی، انکے، ہونگے، جایگا اور کیلئے وغیرہ کو بالترتیب اسے، اس کی، اس کے، انھیں، ان کی، ان کے، ہوں گے، جائے گا اور کے لیے وغیرہ کی شکل میں الگ الگ لکھا گیا۔

۳۔ آیات کی کمپوزنگ کی بجائے قرآن کی اصل کتابت لگائی گئی، کیونکہ کمپوزنگ میں بعض الفاظ قرآنی صحیح نہیں لکھے جاتے نیز بڑی مد بھی کمپوزنگ میں نہیں آتی۔

۴۔ تمام آیات کے حوالہ جات درج کیے گئے، دیگر اضافی حوالہ جات بھی دیے گئے، نیز سورتوں کے نمبر شمار بھی لکھ دیے گئے۔

۵۔ بعض آیات و احادیث کا اردو ترجمہ نامکمل تھا جسے مکمل کیا گیا۔

۶۔ قولی احادیث پر اعراب لگائے گئے۔

۷۔ احادیث کی تخریج و تحقیق کی گئی۔

۸۔ بعض اہم تعلیقات لگائی گئیں اور کچھ مقامات پر معمولی حک و اضافہ بھی کیا گیا۔

۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو سے متعلق ایک اہم اضافہ بھی کیا گیا، یہ اضافہ راقم الحروف کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے لیا گیا ہے۔

- ۱۰۔ ایک تقدیم (جو آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں) کا اضافہ کیا گیا، جس میں منکرین حدیث کے چند بنیادی اشکالات کو مختصر طور پر سوالاً جواباً پیش کیا گیا (جو کہ دراصل راقم الحروف کے ایک لیکچر کا خلاصہ ہے جو چند سال قبل بدو مہی ضلع نارووال میں دیا گیا تھا۔)
- ۱۱۔ علامات ۱۰، ۱۱، ۱۲ وغیرہ کو حتی الامکان مکمل اور طغروں کی شکل میں لکھا گیا۔
- ۱۲۔ بعض عنوانات کی ترتیب میں بھی معمولی تقدیم و تاخیر کی گئی۔

اس اشاعت کے مزید لفظی و معنوی محاسن کا اندازہ قارئین کرام ہی لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف، محقق، راقم الحروف اور جملہ معاونین کی اس محنت اور کاوش کو قبول کرے۔ آمین

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن



## تصدیق

تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت ہدایت اپنے بندوں کو عطا کرنے کے لیے جو انتظام کیا وہ ہمیشہ دو چیزوں پر مشتمل تھا: (۱) الرسول - (۲) الکتاب -

دین کی مستقل تشریحی بنیادیں یہی دو ہیں۔ قرآن فضیلت اور تلاوت میں حدیث پر مقدم ہے، مگر حجیت میں کتاب و سنت مساوی اور متوازی ہیں۔ دونوں اصولوں کے حجت مستقلہ ہونے کے باوجود دونوں میں باہم اتنا ہی فرق ہے کہ کتاب اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے جس طرح عالم کی مراد علم آشنا اور صناع کی مراد صنعت آشنا ہی سمجھ سکتا ہے، اسی طرح کلام رب کو ایک رب آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو بات کہنی ہے اس کا واسطہ الرسول ہی ہے۔ الکتاب نے ہمیشہ بنیادی فکر پیش کی ہے اور الرسول نے اس فکر کے مطابق عملی زندگی کا مظاہرہ کیا۔ الکتاب نے بنیاد فراہم کی اور الرسول نے عمارت اٹھائی، ہدایت کے حصول کے لیے جتنی اہمیت الکتاب کی ہے اتنی ہی الرسول کی ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے سے منفک نہیں کیا جاسکتا۔ نبی ﷺ کا اسوہ (حدیث) ایک ایسا فانوس ہے جو ہزاروں مجلسی آئینوں سے منعکس ہوتا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ اختیار کرنے کے لیے سب سے آگے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئے۔ مبین کتاب کے اسوہ سے مزین یہ گلشن رسالت کے وہ عنادل تھے جنہوں نے اس طرز فغاں کا پورا ریکارڈ محفوظ کیا اور ہم تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس مشن کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث کو بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا مستند وسیلہ بنے۔

تدوین حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی سے ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کے بیان کے

مطابق ۵۲ کے قریب صحابہ تھے جن کے پاس تحریری شکل میں احادیث موجود تھیں۔ پہلی صدی کے اواخر تک اسلام عجمی تصورات سے محفوظ رہا۔ دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں جہم بن صفوان ظاہر ہوا۔ اس نے صفات باری کا انکار کیا۔ پھر دوسری صدی میں خوارج نے حدِّ رجم کا انکار کیا کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے!

انکار حدیث کے بارے میں پہلا فرقہ معتزلہ کا ہے۔ وہ وہی احادیث تسلیم کرتے تھے جو ان کی عقل پر پوری اترتی تھیں۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ محمد ﷺ قرآن پہنچانے پر مامور کئے گئے تھے۔ انھوں نے جو کہا اور کیا وہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ مگر یہ فتنہ کچھ عرصہ میں رو بہ زوال ہو گیا۔ تیرہویں صدی میں اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا۔ پیدائش کی جگہ برصغیر پاک و ہند تھی۔ سرسید احمد خاں، عبد اللہ چکٹر الوی، احمد دین امرتسری، اسلم جیرا جپوری اس کے علمبردار بنے اور غلام احمد پرویز نے اسے ایک منظم مکتب فکر کی بنیاد دی۔

رفتہ رفتہ علم فروش اور بے ضمیر علماء اور عقلیت کے چاک پر نوبہ نو پیکر تراشنے والوں اور تفقہ کی خرد پر شریعت کے مقاصد اور تقاضوں کو چھیلنے اور مخالف دین امور کو اسلامی رنگ میں رنگنے والوں کی مارکیٹ کھل گئی۔

مستشرقین میں ولیم میور اور گولڈز ہیبر نے حدیثوں کو مشکوک بنانے کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ حدیث لکھنے کا کام نبی ﷺ کی وفات کے نوے سال بعد شروع ہوا۔ منکرین حدیث نے کہا کہ حدیثیں دو سو برس بعد لکھی گئیں۔ لہذا احادیث حجت شرعیہ نہیں۔

علمائے ربانیین میں سب سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرقہ ضالہ کی طرف خصوصی توجہ کی اور الرسالۃ میں قرآن حکیم سے احادیث نبویہ کا مستند اور قابل حجت ہونا ثابت کیا اور دسویں صدی میں جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص اسی موضوع پر مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ کے نام سے مستقل کتابچہ تصنیف کیا۔ اس کے بعد بے شمار علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ انھوں نے ثابت کیا کہ قرآن ایمان باللہ اور اس کے ساتھ ہی ایمان بالرسول کے حکم سے بھرا پڑا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بحق الوہیت اور نبی پر

حجق نبوت و رسالت ایمان لانا فرض ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا فرض ہے اسی طرح رسول ﷺ کے احکام کو ماننا بھی فرض ہے۔

منکرین حدیث منصب نبوت کی حقیقت و عظمت اور جلالت ہی سے بے خبر تھے، اسی وجہ سے انھوں نے احادیث رسول کی حجیت سے انکار کر دیا، ان کے نزدیک احادیث مفتریات کا انبار ہیں۔

یہ چودہ قرون کے محدثین و مفسرین کے استہزاء و تمسخر پر تلے ہوئے ہیں اور ان کی تحقیق و تجہیل میں ان کا قلم مسلسل رواں دواں ہے۔

زیر نظر کتاب کا مقصد احادیث کی حجیت کو ثابت کرنا اور منکرین حدیث کے اشکالات و اعتراضات کا ازالہ کرنا ہے۔

حافظ جلال الدین القاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند، ایم اے میسور یونیورسٹی



## حدیث کے

### منزل من اللہ ہونے کا ثبوت

جس طرح قرآن حکیم وحی ہے اسی طرح حدیث بھی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔

((عن المقدم بن معدیکرب عن رسول اللہ ﷺ انه قال: ((أَلَا إِنِّي أَوْتِيْتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ- أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبَعَانَ عَلَى أَرِيكْتِهِ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَاحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبْعِ وَلَا لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَعْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ- فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَعَلَيْهِ أَنْ يُعَقِّبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاةٍ))

(ابوداؤد، السنة، فی لزوم السنة، ح: ٤٦٠٤)

”مقدم بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز (یعنی احادیث) بھی۔ سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تمہارے لئے قرآن کافی ہے، (حدیث کی ضرورت نہیں) تو جو قرآن میں تم حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ سنو! پالتو گدھا، نیش دار درندے اور کسی ذمی (کافر) کا گرا پڑا مال اٹھا لینا تمہارے لیے حلال نہیں الا یہ

کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو، اور جو کوئی کسی قوم کے پاس جائے تو اُن پر اس کی مہمان نوازی واجب ہے، اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنی مہمانی کی مثل ان سے بذریعہ طاقت حاصل کر لے۔“  
یعنی پالتو گدھے کی حرمت قرآن سے منصوص نہیں، اس کی حرمت کا علم حدیث نبوی سے ہی ہوگا۔

جو لوگ حجیت حدیث کے منکر ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ آپ قرآن مجید کو جو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو اس کا کلام اللہ ہونا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اگر آپ کا جواب یہ ہو کہ اس کا کلام اللہ ہونا قرآن سے معلوم ہوا تو یہ مکابرہ ہے کیونکہ اس صورت میں جو دعویٰ ہے وہی دلیل ہے اور یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس میں کون سی دلیل تھی کہ ان کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ ورنہ پھر یہ تسلیم کر لیجئے کہ قرآن کا کلام اللہ ہونا حدیث سے معلوم ہوا.....

درحقیقت جو شخص حدیث کا منکر ہو وہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا بھی منکر ہے کیونکہ قرآن بغیر حدیث کے حجت نہیں بن سکتا۔ جس طرح کوئی شخص رسول کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح بغیر کلام رسول، کلام اللہ تک رسائی ناممکن ہے۔

ہر شخص مانتا ہے کہ کلام کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو کاغذ پر نہیں آسکتیں بلکہ ان کا تعلق لب و لہجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال کے لیے اردو کا ایک جملہ سامنے رکھ لیں، وہ جملہ یہ ہے: ”کیا بات ہے۔“ جملہ کا لب و لہجہ بدلنے سے اس کا معنی بدل جائے گا۔ اس جملے کو کبھی استفسارِ حال کے لیے، کبھی تعجب کے لیے، کبھی تعظیمِ شان کے لیے اور کبھی تحقیر کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اب اگر یہ جملہ کاغذ پر لکھ کر کسی شخص کو بھیج دیں تو کیا وہ شخص صرف اس جملے کو پڑھ کر متکلم کی مراد سمجھ لے گا؟..... ہرگز نہیں، بلکہ جو کچھ وہ سمجھے گا وہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔

چنانچہ اگر یہ شخص تعجب کی حالت میں ہوگا تو اسے تعجب کے لیے سمجھے گا اور اگر استفسارِ حال کا غلبہ ہوگا تو اس کے لیے سمجھے گا۔ شاعر نے بہت اچھا کہا ہے۔

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید  
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید  
”مصور تو محبوب کی صورت بنا سکتا ہے لیکن محبوب کے ناز و انداز کو لفظوں میں  
کیسے ڈھال سکتا ہے!“

اس کے علاوہ ایک اور چیز ”عرف“ بھی ہے یعنی کلام میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں  
جنہیں اہل زبان کے پاس ہی رہ کر سمجھا جاسکتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں ہندوستان کے ایک شہر میں ایک صاحب ایک انگریز کلکٹر کے  
میر منشی تھے۔ کلکٹر اگرچہ انگریز تھا مگر اسے یہ زعم تھا کہ وہ اردو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ چنانچہ  
وہ میر منشی سے کہا کرتا کہ ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں تو بیچارے منشی خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے  
کیونکہ ملازمت کا سوال تھا۔ ایک دن کلکٹر نے کسی بات پر جوش میں آ کر میز پر مگما مارتے ہوئے کہا:  
منشی جی! یقیناً ہم تم سے زیادہ اردو جانتے ہیں۔

اس بار منشی کو بھی جوش آ گیا، انھوں نے سوچ لیا کہ ملازمت رہے نہ رہے اسے جواب  
دے ہی دوں گا۔ انھوں نے بھی میز پر مگما مار کر کہا:  
صاحب بہادر! آپ اردو کی ابجد بھی نہیں جانتے۔

یہ سن کر انگریز کلکٹر بڑا حیران ہوا اور کہا: تم میرا امتحان لے لو۔  
تو منشی جی نے کہا: اگر میں آپ کا امتحان لوں گا تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے۔  
اب صاحب بہادر واقعی بغلیں جھانکنے لگا کہ اس کا کیا مطلب ہوا! بہت غور کیا مگر خاک سمجھ  
آئی۔ آخر اس نے کہا:

منشی جی! مجھے تین دن کی مہلت دو، میں اس کا مطلب بتا دوں گا۔  
منشی جی نے کہا: تین دن نہیں سات دن کی مہلت لے لیجئے۔  
الغرض اس نے اس لفظ کو لغت میں تلاش کیا۔ مگر لغت میں کیا ملتا۔ لغت میں ”بغل“ مل گیا  
”جھانکنا“ مل گیا مگر مفہوم نہیں ملا۔ آخر سات دنوں کے بعد اس نے کہا:

اس کا مطلب ہے کہ ہاتھ کو اٹھا کر بغل کو دیکھ لیا جائے۔  
میرنشی ہنس پڑے، تب کلکٹر نے پوچھا: پھر اس کا مطلب کیا ہے؟  
میرنشی نے کہا: اس کا مطلب آپ کو میں اس شرط پر بتاؤں گا کہ اب آپ کبھی اردو دانی کا  
دعویٰ نہیں کریں گے۔

چنانچہ اس نے اقرار کیا تو منشی نے بتایا کہ دراصل یہ جملہ تخریص سے کنایہ ہے یعنی اگر کلکٹر کا میں  
امتحان لوں تو وہ حیرت میں پڑ جائیں گے۔

الغرض کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو عرف سے متعلق ہیں۔ غیر اہل عرف انہیں  
نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جنہیں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں  
جنہیں نبی ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی۔ لہذا وہ لوگ جو قرآن مجید کو سمجھنا چاہیں وہ اہل عرف کی  
طرف رجوع کریں۔ اس کی بہترین مثال سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ

مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿۲۹﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۲۹)

”اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھیں اور نہ اسے بالکل ہی کھول دیں کہ پھر  
آپ ملامت کیے ہوئے درماندے ہو کر بیٹھ جائیں۔“

آیت کریمہ میں ہاتھ کو گردن سے باندھنا بخل سے کنایہ ہے اور اسے بالکل ہی کھول دینا  
فضول خرچی سے کنایہ ہے۔



## حجیت حدیث کے دلائل

پہلی دلیل:

﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ۖ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۗ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَدِّكُوا اللَّهَ ۚ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا كُمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ (٢/ البقرة: ٢٣٨-٢٣٩)

”نمازوں کی حفاظت کرو بطور خاص درمیانی نماز کی، اور اللہ کے لیے ادب سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو چلتے پھرتے یا سواری پر نماز ادا کر سکتے ہو، لیکن جب امن ہو جائے تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تمہیں سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔“

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کوئی درمیانی نماز ہے مگر قرآن سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ درمیانی نماز کون سی ہے؟ حدیث درج ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے:

((عن علی قال: لما كان يوم الاحزاب قال رسول الله ﷺ: ((مَلَأَ اللَّهُ قُبُورَهُمْ وَيَبُوتَهُمْ نَارًا، كَمَا حَبَسُونَا وَشَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ حَتَّىٰ غَابَتِ الشَّمْسُ)) (مسلم،

المساجد، الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ح: ٦٢٧)

”حضرت علی سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ ان کی قبروں کو اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم درمیانی نماز نہ پڑھ سکے۔ یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔“

نیز آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت امن میں نماز کا کوئی خاص طریقہ ہے اور وہ

طریقہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے مگر پورا قرآن پڑھ جائیے، نماز کا طریقہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ نماز کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور ذریعے سے سکھایا ہے اور بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ وہ یہی ذریعہ ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے۔

دوسری دلیل:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّيْنَ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَكُلْنَ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَ إِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط....﴾ (٤ / النساء: ١١)

”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا، اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف حصہ ملے گا.....“

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکے نہ ہوں اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا اور ایک تہائی باقی بچ جائے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اسے نصف ملے گا اور نصف باقی رہے گا۔

آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ باقی بچا ہوا حصہ (یعنی پہلی صورت میں ایک تہائی اور دوسری صورت میں نصف) کہاں تقسیم ہوگا؟ اس کا کیا مصرف ہے؟ اس مصرف کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ ایک اور وحی آتی تھی۔

تیسری دلیل:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحِيًّا أَوْ مِنْ وَرَائِي حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ط إِنَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾﴾

(٤٢ / الشوری: ٥١)

”اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے سوائے (۱) وحی کے ذریعے، (۲) پردے کے پیچھے سے یا (۳) وہ (اللہ) کسی فرشتے کو بھیجے پھر وہ اپنے

حکم سے اس چیز کی جو وہ چاہے اس پر وحی کرے، بے شک اللہ بے حد بلند اور کمال حکمت والا ہے۔“

اس آیت میں کسی نبی اور رسول تک احکام الہی کے پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں:

۱: براہ راست وحی کے ذریعے۔

۲: پردے کے پیچھے سے براہ راست کلام۔

۳: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ نبی و رسول پر اترے اور اسے احکام الہی پہنچائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ان تین قسموں میں سے کون سی وحی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۴)

”اور بے شک یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے روح الامین لے کر نبی کے دل پر اترتا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔“

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحی کی تیسری قسم ہے۔ اب وحی کی دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کا استعمال ہوا ہے اور وہ حدیث ہی کے نزول کے بارے میں ہو سکتا ہے۔

منکرین حدیث کی طرف سے یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کے ساتھ اگر حدیث کو بھی حجت شرعیہ مان لیا جائے تو اس سے شرک فی الحکم لازم آئے گا۔ یہ لوگ عام طور پر اپنے موقوف کی تائید میں یہ آیتیں پیش کرتے ہیں:

۱: ﴿إِنْ أَتَّبِعْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (۴۶ / الاحقاف: ۹)

”میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔“

۲: ﴿اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۝﴾

(۷ / الاعراف: ۳)

”اس چیز کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے طرف نازل کی گئی

ہے اور اسے چھوڑ کر دیگر سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔“

۳: ﴿وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ (۱۸ / الکہف: ۲۶)

”اور وہ اپنے فیصلے میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

اعتراض کی وضاحت یہ ہے کہ نبی وحی کی ہی اتباع کرتا ہے اور تمام انسانوں کو بھی بشمول نبی کے یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی صرف وحی کی اتباع کریں۔ دوسروں کی اتباع نہ کریں۔ نیز اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کے علاوہ کسی اور کی بات بھی حجت شرعیہ ہے تو لازم آئے گا کہ حکم یعنی قانون سازی اور دستور سازی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر لیا گیا اور یہی تو شرک فی الحکم ہے۔

یہ اعتراض اس وقت قابل قبول ہو سکتا تھا جب حدیث کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ مانتے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال کرتے ہیں اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿۱﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۲﴾ ثُمَّ

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۳﴾﴾ (۶۹ / الحاقہ: ۴۴-۴۶)

”اور اگر وہ (نبی ﷺ) ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتے تو ضرور ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ

لیتے پھر ضرور ان کی شہرگ کاٹ دیتے۔“

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۱﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۲﴾﴾

(۵۳ / النجم: ۳-۴)

”اور نہ وہ (نبی ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو

نازل کی جاتی ہے۔“

نطق رسول ﷺ (رسول ﷺ کی بات) تو وحی ہی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

حدیث رسول ﷺ کو حجت شرعیہ ماننے والے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ”حکم“ یعنی قانون اللہ تعالیٰ بناتا ہے کیونکہ اس نے فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ﴾ (۴۲ / الشوریٰ: ۱۳)

”یعنی دستور حیات اسی نے بنایا ہے۔“

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ط﴾ (۱۲ / یوسف: ۴۰) ”حکم صرف اللہ کا ہے۔“

نبی اسی قانون الہی کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے کبھی اس قانون کی تبلیغ اللہ تعالیٰ کی زبان میں کرتا ہے وہ قرآن ہے اور کبھی اپنی زبان میں کرتا ہے وہ حدیث ہے۔ اس سے شرک فی الحکم کہاں لازم آیا؟ شرک فی الحکم تو اس وقت لازم آتا جب قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو بھی دے دیا جاتا اور یہ عقیدہ رکھا جاتا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قانون بناتا ہے اسی طرح نبی بھی قانون بناتا ہے جبکہ نبی جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کرتا ہے۔



## تیسرے رسول ﷺ اور اس کی مثالیں

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اصل کلی ہے اور حدیث اس کا بیان ہے۔ اس بیان کے بغیر قرآن کے مضمرات اور اس کی مراد کا انکشاف دشوار ہے۔ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان دونوں میں مدعی نہیں بلکہ ناقل اور امین ہیں۔ یعنی نزول الفاظ، جمع الفاظ حتیٰ کہ اقراء الفاظ اور شرح مطالب اور بیان معانی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ فرمایا گیا:

﴿ إِنَّ عَلَيْكُمْ جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۗ فَإِذَا قَرَأْتُمْ فَتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيِّنَاتَهُ ۗ ﴾ (٧٥ / القيمة: ١٧-١٩)

بیانہ ۵ ﴿ (٧٥ / القيمة: ١٧-١٩)

”بے شک اس (قرآن) کا جمع کرنا (سینوں میں اور سفینوں میں) اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔“

ایک مقام پر یوں فرمایا گیا:

﴿ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۚ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۗ ﴾ (١٦ / النحل: ٤٤)

یتفکروُن ﴿ (١٦ / النحل: ٤٤)

”اور ہم نے آپ کی طرف اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا تاکہ لوگوں کی طرف جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔“

مذکورہ بالا آیت پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور اس کی تیسرے نبی ﷺ کی طرف کی ہے اور بیان کے ذریعہ متعین شدہ مراد اور مفہیم و معانی کے دائرہ میں محدودہ کر قرآن کے مخاطبین اپنی فکر سے کام لیں۔ یہ قید درحقیقت قرآن مجید کو بازچہٗ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی کج فکر کو یہ

موقع نہیں دیتی کہ قرآن کی آیتوں کو جو معنی چاہے پہنائے۔  
مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (۵ / المائدة: ۳۸)

”چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔“  
آیت مذکورہ پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ چوری کا مال کتنی مقدار میں ہو تو ہاتھ کاٹا جائے؟ نیز ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ اس کا جواب مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((تُقَطَّعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ)) (بخاری ، الحدود ، قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ.....﴾ ، ح: ۶۷۹۰)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چور کا ہاتھ چوتھائی دینار میں کاٹا جائے گا۔“

مطلق کی یہ تقید الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَمَسْجِدٍ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ﴾ (۹ / التوبة: ۱۰۸)

”البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔“

یہ کونسی مسجد ہے؟ حدیث ذیل میں موجود ہے:

عن ابی سعید الخدری ان رجلا من بنی عمرو بن عوف ورجلا من بنی خدرۃ امتریا فی المسجد الذی أسس علی التقویٰ فقال العوفی: هو مسجد قباء وقال الخدری: هو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألاه عن ذلك فقال: ((هُوَ مَسْجِدِي هَذَا وَفِي ذَلِكَ خَيْرٌ كَثِيرٌ))

(مسند احمد ۳/ ۹۱)

”حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس مسجد کے بارے میں بنو خدرہ اور بنی عمرو بن عوف کے دو آدمیوں نے اختلاف کیا۔ عوفی نے کہا: اس مسجد سے مراد مسجد قباء ہے اور خدری نے فرمایا: اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ دونوں نے آ کر نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی ہے، اور اس میں خیر کثیر ہے۔“

یہاں مجمل کا بیان اصل میں بیان قرآن ہے، الگ سے کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾

(۴/ النساء: ۱۱)

”اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔“

اب سوال یہ ہے کہ لڑکا کافر اور باپ مسلم ہو یا اس کے برعکس تو کیا انھیں وراثت ملے گی؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے۔ حدیث مندرجہ ذیل میں اس کا جواب ہے:

عن اسامة بن زيد رضي الله عنه ان النبي ﷺ قال: ((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ))

(بخاری، الفرائض، لایرث المسلم الکافر.....، ح: ۶۷۶۴)

”اسامہ بن زید رضي الله عنه سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہوتا ہے۔“

یہاں عام کی تخصیص الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ (۱۷/ بنی اسراءیل: ۷۸)

”یقیناً فجر کے اندر قرآن پڑھنا مشہود ہے۔“

آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ مشہود سے کیا مراد ہے؟

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمِيعِ عَلَى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً وَتَجْمَعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ))، يقول ابو ہریرۃ: اقرأوا ان شئتم ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ط إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۱۷﴾﴾

(بخاری ، تفسیر القرآن ، قوله: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ .....﴾ ، ح: ۴۷۱۷)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت سے نماز، تہا نماز پر پچیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ط إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۱۷﴾﴾ (بنی اسرائیل: ۷۸) (اور صبح کی نماز بھی (قائم کیجیے) بیشک صبح کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔“

یہاں مبہم کی تعیین کی گئی کہ مشہود سے مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز میں دن کے فرشتے اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔

یہاں مبہم کی یہ تعیین الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ بیان قرآن ہے۔ جب سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۸۷) ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (سحری) کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگا کا لے دھاگے سے ممتاز ہو جائے) اتری تو عدی بن حاتم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يا رسول الله ما الخيط الابيض من الخيط الاسود؟ اهما الخيطان قال: ((انك لعريض القفا ان ابصرت الخيطين)) ثم قال: ((لا بل هو سواد الليل وبياض النهار))

(بخاری ، تفسیر القرآن ، ﴿كلوا واشربوا .....﴾ ، ح: ۴۵۱۰)

”اللہ کے رسول! اس سے دو دھاگے (کالے اور سفید) مراد ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: تمھاری گدی بہت لمبی چوڑی ہوگی اگر تم نے ان دونوں دھاگوں کو دیکھ لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد صبح کاذب اور صبح صادق ہیں۔“

پتا چلا کہ جب اہل زبان ہوتے ہوئے بھی صحابہ کو مرادِ ربّانی سمجھنے میں غلطی ہو جاتی تھی اور انھیں اس کے صحیح مفہوم کو جاننے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ہم تو بدرجہ اولیٰ مرادِ ربّانی کو سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کی احادیث کے محتاج ہیں۔

اگر آیت کے کسی اصول کلی سے حدیث نے کوئی جزئیہ مستنبط کیا تو حدیث کو بیان تفریع کہا جائے گا۔

اگر قرآن کے کسی جزئیے سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے نمایاں کیا تو حدیث کو بیان استخراج کہا جائے گا۔

قرآن کے لیے حدیث کسی نہ کسی آیت کے لیے بیان ہے اور یہ بیانات مختلف الانواع ہیں۔ اگر آیت و حدیث کا بعینہ ایک ہی مفہوم ہے تو حدیث کو بیان تاکید کہا جائے گا۔

اگر آیت کے مختلف جہتلات میں سے کسی ایک احتمال کو حدیث نے متعین کیا تو حدیث بیان تعین ہے۔

اگر آیت کا پیش کردہ حکم مقدار کے لحاظ سے مبہم ہے اور حدیث نے اسے مشخص کیا تو حدیث بیان تقریر ہے۔

اگر آیت کے کسی اجمال کو حدیث نے کھول دیا ہے اور پھیلا دیا تو حدیث بیان تفصیل ہے۔

اگر آیت کے کسی چھوٹے ہوئے مضمون مثلاً کسی قصے کے ٹکڑے کو یا دلیل کے کسی مقدمے کو حدیث نے اس کے ساتھ ملا دیا تو حدیث بیان الحاق ہے۔

اگر کسی آیت کے حکم کی وجہ حدیث نے ظاہر کی تو حدیث بیان توجیہ ہے۔

اگر آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے ذکر کیا تو حدیث بیان تمثیل ہے۔

اگر حکم آیت کی علت حدیث نے واضح کی تو حدیث بیان تعلیل ہے۔

اگر آیت کے حکم کے خواص حدیث نے کھولے ہیں تو حدیث بیان تاثیر ہے۔  
اگر کسی آیت کے حکم کی حدود کو حدیث نے واضح کیا تو حدیث بیان تحدید ہے۔  
اگر آیت کے کسی عام کا حدیث نے کوئی فرد مشخص کر دیا تو حدیث بیان تخصیص ہے۔  
اگر آیت کے کسی جزئیے کے مشابہ کوئی جزئیہ کسی مشترک علت کی بنا پر حدیث نے پیش کیا  
تو حدیث کو بیان قیاس کہا جائے گا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم احادیث کو مانتے ہیں مگر ان احادیث کو نہیں مانتے جو عقل میں نہ  
آئیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کس کی عقل کو معیار بنایا جائے؟ محدثین کی عقل کو، فلاسفہ کی عقل کو،  
ایک ڈاکٹر، ایک سائنسدان کی عقل کو یا ایک عام آدمی کی عقل کو؟  
ایک حدیث ایک شخص کی عقل میں آتی ہے دوسرے کی عقل میں نہیں آتی، تو اب کس کی  
عقل کو معیار تسلیم کیا جائے؟ کیا دین میں عقل معیار ہے یا نقل؟ اگر اس معیار پر ہم قرآن کو  
پرکھیں اور جو آیت ہماری عقل میں نہ آئے تو پھر اسے بھی تسلیم نہ کریں۔  
سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا أَوْ سَلِيمًا عَلَيَّ اِبْرَاهِيمَ ۝﴾ (۲۱ / الانبیاء: ۶۹)

”ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیم پر سرد اور موجب سلامتی ہو جا۔“

یہ بات عقل میں نہیں آتی..... کہ آگ کا کام ہے جلانا..... وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی کیسے  
بن سکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہوگی ہم اسے نہیں مانیں گے۔ اگر  
اس نظریے پر قرآن کو پرکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو آیتیں بظاہر متعارض نظر آتی ہیں تو کیا  
ایک آیت کو تسلیم کر کے دوسری کو رد کر دیں گے یا دونوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانیں گے۔  
ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں کو مانیں گے تو یہ فارمولہ احادیث کے لیے کیوں استعمال نہ کیا جائے؟  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ﴾

(۲۵ / الفرقان: ۳۲)

”اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا دیا گیا۔“

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۗ﴾ (۹۷/القدر: ۱)

”ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں اتارا۔“

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا بتدریج نازل ہوا ہے اور دوسری آیت سے پتا چلتا ہے کہ قرآن یکبارگی اتارا گیا ہے۔ ہم دونوں آیتوں میں تطبیق دے کر دونوں کو مانتے ہیں۔ یہ کہنا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے لہذا احادیث کو حجت شرعیہ ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (۶۲/الجمعة: ۹)

”مومنو! جب جمعہ کی نماز کے لیے تمہیں پکارا جائے تو اس کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔“

اب بتایا جائے کہ جمعہ کے دن کب پکارا جائے؟

کس نماز کے لیے پکارا جائے؟

کن الفاظ سے پکارا جائے؟

جس نماز کے لیے پکارا جا رہا ہے وہ کیسے پڑھی جائے؟

بتائیں! ان سارے سوالوں کا جواب اور اس کی تفصیل قرآن میں کس جگہ ہے؟

اگر قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو بتائیں کہ مرغی حلال ہے یا حرام؟

کتا اور گدھا حلال ہیں یا حرام؟

میت کو غسل کیسے دیا جائے؟

تجہیز و تکفین کا کیا طریقہ ہے؟

نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے؟

نانی، دادی، پوتی، نواسی کی حرمت بھص قرآنی ثابت نہیں تو کیا ان سب سے نکاح جائز

ہے؟ نیز منکووح کی موجودگی میں اس کی خالہ اور اس کی پھوپھی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ قرآن سے ثابت کریں۔

ہم ﴿تَبَيَّنَا لَلْحَلِّ شَيْءٌ﴾ (۱۶/النحل: ۸۹) کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں جو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور حدیث میں احکام کی جو شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس متن قرآن اور شرح قرآن (حدیث) دونوں میں ہر امر دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

## معیارِ تحقیق

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے سند میں چند اشخاص کو جوڑ دیا اور کہہ دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، اور اسے حدیث مان لیا جاتا ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ حدیث کو جانچنے کے معیارات سو سے زائد ہیں اور ہر معیار پر مستقل تحریری مواد موجود ہے۔ جب کوئی حدیث ان تمام معیارات سے ٹھیک ٹھاک گزر جائے گی تب اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔ مثال کے طور پر علقمی نام کا ایک شخص کہتا ہے کہ یہ حدیث ہے اور سند اس طرح بیان کرتا ہے:

عن مالك عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ.....

جب علقمی اس حدیث کو مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کرے گا تو ہر سننے والا سند میں اس کا نام ضرور ذکر کرے گا۔ علقمی سے آگے کی سند یقیناً معتبر ہے۔ لیکن حدیث کو صحیح قرار دینے کے لیے علقمی کی تحقیق ضروری ہوگی۔ اب اگر علقمی کے حالات نہیں ملتے تو روایت مجہول ہوگی اور اگر حالات مل گئے تو دیکھا جائے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب؟ اگر کاذب تھا تو حدیث موضوع ہوگی اور اگر صادق تھا تو اب دیکھا جائے گا کہ وہ حافظہ کی خرابی میں مبتلا تو نہیں؟ اگر یہ عیب پایا گیا تو حدیث قابل قبول نہیں ہوگی۔ اگر اس جرح سے بچ گیا تو دیکھا جائے گا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے دیگر شاگرد بھی وہ حدیث روایت کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر معلوم ہو گیا کہ دیگر شاگرد علقمی کے خلاف روایت کرتے ہیں تو علقمی کی روایت شاذ ہو جائے گی۔ مذکورہ مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی

جھوٹے راوی کا محدثین کے معیار تحقیق سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ لہذا محدثین کسی حدیث کو صحیح کہیں تو وہ قطعی الصحت ہے۔

## خبر واحد کی حجیت قرآن سے

﴿وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْبَدْيِ يَنبَأُ بِنَبَأٍ﴾ (۲۸ / القصص: ۲۰)

”اور ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا۔“

غور کریں کہ حضرت موسیٰ ؑ اس ایک شخص کی خبر پر گھر چھوڑ کر مدین کی طرف نکل پڑتے ہیں۔

﴿وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَأٍ يَقِينٍ﴾ (۲۷ / النمل: ۲۲)

”اور میں آپ کے پاس شہر سبأ کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔“

مذکورہ بالا آیت میں صرف ہدہ کی خبر کو قرآن نے یقینی خبر کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

خبر واحد اگر محض بالقراءن ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔

## خبر واحد کی حجیت حدیث سے

عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال: ((إِنَّ بِلَا لًا يَنَادِي

بَلِيلٍ فَكُلُّوْا وَأَشْرَبُوْا حَتَّى يَنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ))

(بخاری ، الاذان ، الاذان بعد الفجر ، ح: ۶۲۰)

”عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال رات کو اذان دیتے

ہیں لہذا تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔“

امام بخاری رضی اللہ عنہ کی فقہت دیکھئے وہ اسی حدیث سے خبر واحد کی حجیت پر استدلال کرتے

ہیں۔ استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ نماز جو افضل العبادات ہے ایک آدمی کی اذان یعنی ایک

آدمی کے بلاوے پر مسجد میں آنا لازم قرار دیا گیا تو دیگر معاملات میں ایک آدمی کی خبر کو حجت

کیوں نہیں تسلیم کیا جاسکتا؟

## احادیث کی حفاظت کا عملی اہتمام

مکرمین حدیث ایک اور اعتراض بڑے شد و مد سے کرتے ہیں کہ اگر حدیث کا دین میں کوئی مقام ہوتا اور دینی معاملات میں اسے مستقل حجیت حاصل ہوتی تو پھر نبی اکرم ﷺ اسی اہتمام کے ساتھ حدیث بھی لکھوایا کرتے جس اہتمام سے آپ ﷺ قرآن کی ہر آیت و سورہ لکھوایا کرتے تھے۔ اب جس شے کو قلم بند کر کے دوسروں تک پہنچانے کا باقاعدہ التزام نہیں کیا گیا اسے ہمیشہ کے لیے ایک واجب الاتباع قانون کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے موجب حجت و استناد اور لائق اتباع ہونے کے لیے اس کا مکتوب و محرر ہونا شرط لازم نہیں۔ آخر قرآن کی وحی بھی تو تحریری نہیں بلکہ زبانی ہی نازل ہوتی تھی، جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

﴿لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۗ﴾ (٧٥ / القیامۃ : ١٦)

”آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کہ اسے جلدی حاصل کر لیں۔“

یعنی جبریل امین آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو فوراً یاد ہو جاتی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے حافظے اور یادداشت ہی سے اسے املا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ نزول اور کتابت کے درمیان کچھ وقفہ ایسا ضرور گزرتا ہوگا جبکہ حفاظت وحی کا انحصار صرف حافظے اور قراءت پر ہوتا ہوگا۔

نیز حدیث نام ہے رسول ﷺ کے قول و فعل و تقریر کا۔ رہا قول کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت ہے اور صحابہ کی زبان عربی تھی اور ان کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ حدیثوں کو یاد رکھنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ رہا فعل رسول ﷺ کا معاملہ تو اسے یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر عمل کرنا کافی تھا جیسے نماز کیسے پڑھی جائے۔ اس کی پوری ہیئت عمل سے ہی یاد ہو جاتی تھی۔

اب رہا تقریر پر رسول ﷺ کا معاملہ، تو اسے بھی یاد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعات ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے پیش آئے اور آپ ﷺ خاموش رہے۔

نیز احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں احادیث کی کتابت ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں مشہور کتابیں یہ ہیں:

صحیفہ علی - صحیفہ وائل بن حجر - صحیفہ سعد بن عبادہ - صحیفہ جابر بن عبد اللہ - صحیفہ انس بن مالک - صحیفہ عبد اللہ بن عباس - صحیفہ صادقہ (جو عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے مرتب کیا تھا) - صحیفہ عمرو بن خطاب - صحیفہ عثمان - صحیفہ عبد اللہ بن مسعود - مسند ابو ہریرہ - روایات حضرت عائشہ - صحیفہ عمرو بن حزم - صحیفہ صحیحہ از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔<sup>①</sup>

خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث کے حفاظت کے طریقے جو اختیار کئے گئے وہ تین تھے:

۱: کتابت (لکھنا)

۲: حفظ (زبانی یاد کرنا)

۳: تعامل (یعنی ہر شعبہ زندگی میں احادیث پر عمل کا اہتمام کرنا)

یہ تینوں طریقے عہد رسالت سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔

زیادہ تر عمل میں آنے والی احادیث کی تعداد متن حدیث کے لحاظ سے تقریباً ایک لاکھ ہے اور اسانید و طرق کے لحاظ سے ان کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے اور حجۃ الوداع میں صحابہ کرام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ اس کے بعد نبی ﷺ تین ماہ زندہ رہے، اتنے عرصے میں کتنے ہزار صحابہ کا اور اضافہ ہوا؟ اس حساب سے تو ایک صحابی کے حصے میں ایک حدیث بھی نہیں آتی۔

① صحیفہ صحیحہ کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہمام بن منبہ نے مرتب کیا تھا، جس میں تمام وہ احادیث ہیں جو انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیں۔ اس صحیفہ کو صحیفہ ہمام بن منبہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ۱۳۹ حدیثیں ہیں۔ اس مجموعے کا اردو ترجمہ اور شرح کئی اداروں نے شائع کی ہے۔ اس کی ایک شرح راقم الحروف بھی حوالہ قرطاس کر رہا ہے جو ماہنامہ دعوت النوحید، اسلام آباد میں قسط وار شائع کی جا رہی ہے۔ (شہباز حسن)

## عہد رسالت میں حدیث کی کتابت و حفظ کا ثبوت

عن عبد اللہ بن عمرو قال: كنت اكتب كل شيء اسمعه من رسول الله ﷺ اريد حفظه فنهتني قریش وقالوا: اتكتب كل شيء اسمعه ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضا، فامسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك الى رسول الله ﷺ فاوماً باصبعه الى فيه فقال: ((اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ))

(ابوداؤد، العلم، فی کتاب العلم، ح: ۳۶۴۶)

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز جو اللہ کے رسول ﷺ سے سنتا لکھ لیا کرتا تھا تاکہ میں اسے زبانی یاد کر لوں تو قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ تو نبی ﷺ سے جو کچھ سنتا ہے لکھ لیتا ہے جبکہ نبی ﷺ ایک انسان ہیں۔ کبھی غصے میں بولتے ہیں اور کبھی خوشی میں بولتے ہیں۔ تو میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اپنے دہن کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھو۔ پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (زبان) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔“

رہی یہ روایت: عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال: ((لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمَحْهُ وَحَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مَتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (مسلم، الزهد، الثبت فی الحدیث..... ح: ۳۰۰۴)

”ابوسعید خدری سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے بیان کرو

کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔“

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ مت لکھو۔ تو آپ کا یہ حکم عارضی تھا تا کہ قرآن و حدیث کے درمیان امتیاز رہے۔

((وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ)) حدیث کا یہ ٹکڑا ایسی اسرائیلی روایات پر محمول ہے جو مسکوت عنہا ہیں یعنی ایسی اسرائیلی روایات جن کی شریعت میں تصدیق کی گئی ہونہ تکذیب۔ لیکن جو روایات شریعت سے متصادم ہیں وہ مردود ہیں۔

منکرین حدیث حدیثوں کو اس لئے نہیں مانتے کہ حدیثوں میں باہم اختلاف ہے۔ دیکھا جائے تو اس طرح کا اختلاف قرآن میں بھی موجود ہے۔ قرآن میں ایک آیت ہے:

﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ﴾

(۳۶/یس: ۶۵)

”آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔“

ایک اور آیت میں ہے:

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(۲۴/النور: ۲۴)

”جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں بھی ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔“

پہلی آیت میں ہے کہ منہ پر مہر لگنے کی وجہ سے زبان بند ہو جائے گی اور دوسری آیت میں ہے کہ زبانیں گواہی دیں گی۔ ذرا سوچئے جب زبانیں بند ہو جائیں گی تو گواہی کس طرح دیں گی؟

## تبیانا لكل شیء کا مفہوم

قرآن میں جب ہر شے کی وضاحت ہے تو حدیث کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن کی آیت کے اس ٹکڑے ﴿تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱۶/النحل: ۸۹) کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ بیان ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور احادیث نبویہ میں جن احکام کی شرح کی گئی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس متن قرآن اور شرح قرآن (یعنی حدیث) دونوں میں ہر امر دینی کا تفصیلی بیان ہے۔

## تفصیلاً لكل شیء کا مفہوم

ایک اشکال یہ ہے کہ قرآن میں جب ہر مسئلے کی تفصیل ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ آیت (۶/الانعام: ۱۵۵) کے مذکورہ ٹکڑے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے دین کے بنیادی اصول اور مہمات شریعت بغیر کسی ایسی چیز کے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیے تاکہ اشتباہ و ابہام کا کوئی شائبہ نہ رہے۔ لفظ ”کل“، حقیقی استغراق یعنی ایسا عموم جو تمام افراد کو شامل ہو، کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ کل ایسا ہے جیسے سورۃ النمل کی اس آیت ﴿وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (۲۷/النمل: ۲۳) ”اسے ہر چیز دی گئی تھی۔“<sup>①</sup>

ملکہ سبا کو ہر چیز دی گئی تھی یعنی سلطنت کے تعلق سے تمام لوازمات دیئے گئے تھے کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس لوازمات حکومت ملکہ سبا کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھے۔



① لفظ کل کے مزید قرآنی استعمالات کے لیے مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجیے: سورۃ البقرۃ: ۲۶۰۔ آل عمران: ۹۳۔ یوسف: ۷۹۔ الرعد: ۱۶۔ النحل: ۶۹۔ الکہف: ۵۴۔ ۷۹۔ الحج: ۲۷۔ النمل: ۱۶۔ الزمر: ۶۲۔ حم السجدة: ۲۱۔ الاحقاف: ۲۵۔ (شہباز حسن)

## احادیث کے ضعیف و موضوع ہونے پر اعتراض

مکرمین حدیث یہ اعتراض بڑے زور و شور سے کرتے ہیں کہ بعض احادیث تو موضوع ہیں اور بعض ضعیف حالانکہ قرآن میں اس طرح کا اختلاف نہیں۔ اس کی کوئی آیت ضعیف یا موضوع نہیں کہی جاسکتی۔ اس لحاظ سے حدیث کا مواد غیر مکمل ہی نہیں بلکہ تحریف سے بھی پاک نہیں ہے۔ جبکہ جو چیز حجت شرعیہ اور ماخذ دین ہو، اس کا خالص اور ملاوٹ سے پاک ہونا ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حدیث کے مجموعوں میں مختلف اقسام کی احادیث درج ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مابین امتیاز کرنا مشکل ہے۔ جس شخص کو حدیث اور فن حدیث سے معمولی سی بھی واقفیت ہے وہ یہ جانتا ہے کہ محدثین نے صحیح اور قابل اعتماد احادیث کا بڑا حصہ ضعاف اور موضوعات سے الگ کر دیا ہے اور انھوں نے حدیث کی نقد و جرح کے وہ تمام اصول و قوانین بھی بیان فرمادیے ہیں جن سے کام لے کر انھوں نے احادیث کو جانچا ہے۔ اس فنی تحقیق کی مثال دنیا میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اس کی روشنی میں ہر صاحب علم یہ جان سکتا ہے کہ احادیث کی قوت و ضعف کا فیصلہ کن وجوہ اور دلائل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اگر محدثین کے اس محیر العقول کارنامے کے بغیر احادیث کا ملا جلا ذخیرہ ہم تک پہنچتا اور ہمارے پاس صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو یہ امر بلاشبہ باعث تشویش ہو سکتا تھا۔ لیکن موجودہ صورت میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر مزید موجب اطمینان امر یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت یا ضعف پر امت کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ ان کی تعداد ان احادیث کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جن کی صحت و عدم صحت کا معاملہ مختلف فیہ ہے۔

اب اگر کوئی شخص تھوڑی سی مقدار کو مشتبہ سمجھ کر پورے ذخیرے کو ساقط الاعتبار قرار دے دے تو اس کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہوگی جو اپنے خزانے کے چند سکوں کو کھوٹا دیکھ کر پورا

خزانہ دریا برد کر دے، یا بازار میں چند جعلی نوٹوں کا چلن دیکھ کر پورے ملک کی کرنسی کو نذر آتش کرنے کی کوشش کرے۔ کیا کوئی زیرک اور ہوش مند انسان ایسا عاقبت نااندیشانہ اقدام کرنے کا تصور کر سکتا ہے؟

## امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معصوم نہیں تھے

منکرین حدیث یہ اعتراض کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معصوم نہیں تھے۔ لہذا ان سے خطا ممکن ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ امکان خطا اور وقوع خطا میں بڑا فرق ہے۔ امکان اور چیز ہے اور وقوع اور چیز۔ ممکن ہے آپ چور ہوں۔ مگر بغیر ثبوت شرعی ایسا کہنا غلط ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خطا کہاں کی ہے اسے ثابت کیجیے۔

ذرا سوچئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے قرآن کو نہیں لکھا۔ لکھنے والے اور جمع کرنے والے صحابہ ہی تھے اور صحابہ بھی معصوم نہ تھے۔ لہذا ان سے بھی خطا کے صدور کا امکان تھا۔  
فما هو جوابکم فہو جوابنا۔

## بخاری میں بدعتی راویوں کا اشکال

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ بخاری میں بدعتی راوی ہیں! لہذا بدعتی راویوں کی مرویات کو کیونکر قبول کیا جاسکتا ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ بدعات ایک درجے کی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾

(۴۹ / الحجرات: ۶)

”ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو۔“

غور کریں کہ فاسق کے فسق کی وجہ سے جو بے اعتباری پیدا ہو سکتی تھی وہ خبر کی تحقیق کے بعد

دور کی جاسکتی ہے۔

۱: اگر راوی کی بدعت اس طرح ہو کہ اسے اسلام سے نکال دے تو ایسے بدعتی کی روایت مقبول نہیں کیونکہ قبول روایت کے لیے اسلام شرط ہے۔

۲: اگر راوی دین و شریعت کے معاملے میں دشمنی کا اظہار کرے اور مسلمانوں سے عناد رکھے اور خواہشات کی پیروی میں اسراف کرے نیز حق کی دلیلوں سے اعراض کرے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے یہاں دینداری کم ہے۔ جیسے شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو ایسا راوی عادل نہیں، ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں، کیونکہ قبول روایت کے لیے عدالت شرط ہے۔

۳: اگر راوی جھوٹ کو حلال جانے تو یا تو کافر ہے یا فاسق اور اگر معذوری بھی سمجھ لیں تو قبول روایت کے لیے صدق (سچائی) شرط ہے اور یہاں سچائی ناپید ہے، اس لئے ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

۴: ایسا بدعتی راوی کہ اہل علم کا اس کے سلسلے میں تردد موجود ہو، اہل علم کے نزدیک اسے کافر قرار دینا یا فاسق قرار دینا واضح نہ ہو سکے اور نہ اہل علم نے اسے عادل ہی قرار دیا ہو تو ایسے راوی کی روایت مردود ہے۔

۵: اگر بدعتی راوی اپنی بدعت کا داعی ہو اور اپنی بدعت کی نشر و اشاعت کرتا ہو اور اس کی دعوت کا تعلق ایسی بدعت سے ہو جس پر محدثین کا اتفاق ہو کہ وہ بدعت ہے تو ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔

رہا وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت نہیں دیتا اس کی دو شکلیں ہیں؛ اگر اس کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی عدالت (عادل ہونا) ثابت نہ ہو تو اس کی روایت مردود ہوگی۔ یہ چند شرائطِ معلّیٰ کی التکنیکل میں موجود ہیں۔



## صحیح بخاری کی بعض احادیث پر اعتراضات کے جوابات

۱: حدثنا عبد الله بن محمد قال حدثني عبد الصمد قال حدثني شعبة قال حدثني ابوبكر بن حفص قال سمعت اباسلمة يقول: دخلت انا واخو عائشة على عائشة فسالها اخوها عن غسل النبي ﷺ فدعت باناءٍ نحو من صاع فاغتسلت و افاضت على راسها و بيننا و بينها حجاب .

(بخاری ، الغسل ، الغسل بالصاع.....ح: ۲۵۱)

”عبداللہ بن محمد بیان کرتے ہیں کہ انھیں عبدالصمد نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں اور حضرت عائشہ کے بھائی، حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح غسل کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوا یا جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا، درمیان میں ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔“

سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں حضرات اس پردے میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے؟ جواب نفی میں ہے۔ غسل کی کیفیت بتانے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل نہیں کیا بلکہ انھوں نے پانی کی مقدار کا ذکر کیا تو ابوسلمہ اور دیگر نے تعجب کا اظہار کیا کہ اتنے پانی سے کیسے نہایا جاسکتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ بالکل ممکن ہے اور دیکھو اب میں نہانے کے لیے جا رہی ہوں اور اتنے ہی پانی سے نہاؤں گی اس کے بعد انھوں نے پردہ ڈالا اور

غسل کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اتنے پانی سے نہانا ممکن ہے۔ اس مفہوم کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حدیث پر ”الغسل بالصاع و نحوه“ کا باب باندھا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تبویب مکرمین حدیث کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے کافی ہے۔ نیز غسل کے معنی صرف نہانے کے نہیں ہوتے بلکہ غسل کا ایک مطلب ”نہانے کا پانی“ بھی ہوتا ہے۔

۲: عن عامر بن سعد عن ابیہ قال امر رسول اللہ ﷺ بقتل الوزغ وسماء فویسقا .

(ابوداؤد ، الادب ، فی قتل الوزاغ ، ح: ۵۲۶۲)

”عامر اپنے حضرت سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کے مارنے کا حکم دیا اور اسے فاسق کہا۔“

چھپکلی کے قتل کا یہ سبب نہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پھونک مار رہی تھی۔ مذکورہ بالا حدیث سے اس کا فوویسقا (زہریلا اور موذی) ہونا بتایا گیا ہے۔ نیز بعض جانور فطرتاً شریف ہوتے ہیں اور بعض فطرتاً بدطینت ہوتے ہیں۔ جیسے بچھو اور چھپکلی وغیرہ..... تو ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک مارنا اس کے خبث باطن کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ چھپکلی کیسے پھونک مار رہی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ بات ہے جو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ویسے بھی قرآن سے یہ ثابت ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن وہ تسبیح کیسے بیان کر رہی ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ چھپکلی ایک برے کام میں مدد کیوں کر رہی تھی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۳: عن عائشة جاءت سهلة بنت سهيل الى النبي ﷺ فقالت يا رسول الله! انى ارى فى وجه ابى حذيفة من دخول سالم- وهو حليفه- فقال النبي ﷺ ((ارْضِعِيهِ)) قالت: وكيف ارضعه وهو رجل كبير؟ فتبسم رسول الله ﷺ وقال ((قَدْ

عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ . ))

(مسلم ، الرضاع ، رضاعة الكبير ، ح: ۱۴۵۳)

”حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نبی ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ سالم جب گھر میں داخل ہوتے ہیں تو میں ابوحنیفہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھتی ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا: تو سالم کو اپنا دودھ پلا دے۔ کہنے لگیں: میں انھیں کیسے دودھ پلا دوں؟ وہ بچے نہیں ہیں بلکہ بڑی عمر کے آدمی ہیں تو نبی ﷺ مسکرائے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ جوان ہیں۔“

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ کی بیوی سہلہ نے نوجوان سالم کو اپنا دودھ پلایا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اسلام میں حرج شدید کا لحاظ کیا گیا ہے جیسے کہ ایام ماہواری میں عورت کی نماز معاف ہے جبکہ نماز جنگ میں بھی معاف نہیں۔ سالم چونکہ بچپن سے ابوحنیفہ کے گھر آتے جاتے تھے اور سودا سلف بھی لے آتے تھے۔ گھر میں اور کوئی نہ تھا۔ لہذا مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا گیا، یہ ان کے لیے خاص تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ پتا نہیں چلتا کہ سہلہ نے سالم کو اس طرح اپنا دودھ پلایا جیسے بچے کو پلایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی برتن میں دودھ نکال کر پلایا گیا ہو۔



## عذابِ قبر

منکرین حدیث کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر عذابِ قبر کو مان لیا جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آتی ہیں جبکہ قرآن میں صرف دو زندگیوں اور دو موتوں کا تذکرہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا اِثْنَيْنِ وَاٰحْيَيْنَا اِثْنَيْنِ﴾ (۴۰ / المؤمن: ۱۱)

”وہ کہیں گے: ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی۔“

جواب یہ ہے کہ قرآن میں کئی واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ مردے زندہ ہو گئے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں باذن اللہ مردوں کا زندہ ہونا اور سورۃ البقرۃ میں حضرت عمرؓ کے زندہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور ان کے گدھے کا زندہ ہونا اور چار پرندوں کا زندہ ہونا..... تو کیا یہ تیسری زندگی نہیں ہے؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ قرآن میں یہ ہے کہ قیامت سے پہلے سب لوگوں کو نہیں اٹھایا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان اس کا عقیدہ رکھتا ہے۔ نیز اہل قبور کے لیے دنیا کی معروف زندگی اور موت کی معروف بے حسی کے درمیان کسی درجے کا احساسِ زندگی تسلیم کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟<sup>①</sup>

① غور طلب بات یہ بھی ہے کہ عذابِ قبر مردے کو ہوتا ہے زندہ انسان کو نہیں، کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان اس بات کا قائل نہیں کہ عذابِ قبر مردے کی بجائے زندہ انسان کو ہوتا ہے لہذا جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں کہ عذابِ قبر زندہ کو ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا ہی فضول ہے کہ عذابِ قبر سے تیسری زندگی لازم آتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی اس موضوع پر لکھی گئی کتب: عذابِ قبر، منکرین حدیث کے اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات؛ عذابِ قبر، قرآن کی روشنی میں؛ المسند فی عذابِ القبر (محمد راشد کمال)

**ملحوظہ:**..... عذابِ قبر نہ صرف یہ کہ احادیث سے ثابت ہے بلکہ قرآن سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، عذابِ قبر کے قرآنی ثبوت کے لیے ان آیات کا مطالعہ کیجیے: سورۃ ابرہیم: ۲۷؛ طہ: ۱۲۴-۱۲۶؛ الانعام: ۹۳؛ الانفال: ۵۰-۵۱؛ محمد: ۲۷؛ المؤمن: ۴۵-۴۶؛ نوح: ۲۵؛ التوبہ: ۱۰۱؛ التکاثر: ۱-۴؛ الواقعة: ۸۳-۹۶؛ النحل: ۲۸-۳۲ (شہباز حسن)

ثبوت اس آیت میں ہے:

﴿قَالُوا يَوْمَئِذٍ أَصْحَابُ مَا بُعِثْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (۳۶/ یس: ۵۲)

”انہوں نے کہا: ہائے! ہمیں ہمارے مرقد سے کس نے اٹھایا۔“

رقود نیند کو اور مرقد خواہ گاہ کو کہتے ہیں۔ پتا چلا کہ قبر میں مردے کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے سونے والے کی۔ اس میں زندگی کی پوری حسیت اور موت کی مکمل بے حسی طاری نہیں ہوتی بلکہ بین بین کی کیفیت ہوتی ہے۔

اس بحث میں ایک ضمنی سوال یہ بھی ہے کہ قیامت کے وقوع سے پہلے بدلہ دیا جانا انصاف کے خلاف ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قیامت سے پہلے کوئی بدلہ دیا جانا تسلیم نہ کیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے دنیا میں قوموں کو ان کے برے اعمال کی سزا کیوں دی؟



## حدیث ثلاث کذبات

منکرین حدیث کا اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صدیق کہا ہے اور صحیح بخاری میں (ج: ۵۰۸۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ))

”حضرت ابراہیم نے صرف تین جھوٹ بولے۔“

درحقیقت اسے تو یہ کہتے ہیں یعنی ایسا کلام جو مجازاً کذب (جھوٹ) ہوتا ہے مگر حقیقت میں سچ ہوتا ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے ایسے جھوٹ کا تذکرہ خود قرآن میں بھی ہے:

((فَقَالَ اِنِّي سَقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ / الصُّفَّت: ٨٩))

”تو انھوں نے کہا: میں بیمار ہوں۔“

ایک تو یہ کہ آپ بیمار نہیں تھے مگر آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے خود بتوں کو توڑ کر بڑے بت کا نام لے دیا۔

((قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ﴿٢١﴾ / الانبياء: ٦٣))

”آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کیا ہے۔“

تیسرا یہ کہ آپ نے تارہ، چاند اور سورج کو دیکھ کر انھیں اپنا رب کہا۔

(٦ / الانعام: ٧٧-٧٩)

کیا ابراہیم علیہ السلام کا انھیں رب کہنا سچ تھا یا جھوٹ؟

اب جو توجیہ منکرین حدیث ان آیات کی کریں وہی اسی قسم کی احادیث کی سمجھ لیں۔

درحقیقت حدیث میں حقیقی جھوٹ نہیں بلکہ مجازی جھوٹ کا تذکرہ ہے جسے تو یہ کہا جاتا

ہے۔ جس میں ظاہری کلام کی صورت کذب کی ہوتی ہے مگر اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن بڑے

لوگوں کو اس سے شرم آتی ہے۔

## حدیث زنائے قردة

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب مناقب الانصار کے باب القسامة فی الجاهلیة (ج: ۳۸۴۹) میں اپنے استاد نعیم بن حماد رحمہ اللہ سے اس طرح روایت کیا ہے:

عن عمرو بن ميمون قال رایت فی الجاهلیة قردة اجتمع علیها قردة قد زنت فرجموها فرجمتها معهم .

”عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت میں میں نے دیکھا کہ ایک بندر یا جس نے زنا کیا تھا دوسرے بندروں نے اکٹھے ہو کر اسے سنگسار کیا، میں نے بھی ان کے ساتھ اس بندر یا کو سنگسار کیا۔“

منکرین حدیث اس حدیث کو بھی اپنے اعتراض کا موضوع بناتے ہیں اور حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا بندروں کے یہاں بھی نکاح و طلاق اور حدود و تعزیرات کا نظام لاگو ہے؟

پہلا جواب تو یہ ہے کہ بندروں کی شکل میں وہ جن تھے اور وہ بھی شریعت کے مکلف ہیں۔ تورات میں رجم کا حکم تھا اور نص قرآنی سے ثابت ہے کہ جنوں کی ایک جماعت شریعت موسوی کی پابندی۔ (دیکھیے الاحقاف: ۲۶)

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بندروں نے کسی بندر یا کو اُس کی آوارگی پر پتھروں سے ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں یہ کون سی عجیب بات ہو گئی جسے عقل و مشاہدہ قبول نہیں کر سکتے۔ جبکہ ماہر عمرانیات کی تصریحات موجود ہیں کہ بندر کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ بھی انسانوں سے مشابہت رکھتی ہے۔ جانوروں میں غیرت کا پایا جانا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، لہذا انھیں بھی غیرت آتی ہے۔

اس واقعہ میں نصیحت یہ ہے کہ انسان کے اندر غیرت ہونی چاہئے کیوں کہ اس معاملے میں جانور بھی پیچھے نہیں ہیں اور سزائے رجم فطری سزا ہے کہ ایک حیوان اپنی نفسیاتی پاکیزگی کے لیے

رجم کر سکتا ہے تو کیا انسان کے لیے یہ سزا نامناسب ہے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کا ذکر حیوان کو مکلف ٹھہرانے کے لیے نہیں کیا بلکہ یہ ثابت کرنے کے لیے کیا ہے کہ عمرو بن میمون مخضرم تابعی ہیں۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث روایت کو التاریخ الکبیر میں عمرو بن میمون کے ترجمے کے تحت ذکر کیا ہے اور اہل فن اس سے بخوبی واقف ہیں کہ تراجم کی کتابوں میں احادیث و روایات کے ذکر سے ترجمہ ہی کے متعلق کوئی اطلاع بہم پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب مقاصد تراجم ابواب بخاری)



## نبی ﷺ پر جادو اور اس کی نوعیت

حدیث سحر النبی ﷺ کی بابت معروض یہ ہے کہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں منقول ہے۔ لہذا اس کا انکار قرآن کا انکار ہے کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَأَنْ يَّمْسَسَ اللَّهُ بَصْرًا فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾

(یونس: ۱۰۷)

”اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کے، کوئی اسے دُور کرنے والا نہیں ہے۔“

آیت مذکورہ سے نبی اکرم ﷺ پر ضرر کے طاری ہونے کا امکان ثابت ہوتا ہے اور سحر بھی ایک ضرر ہے۔ چنانچہ سحر کے ضرر ہونے کی دلیل خود قرآن میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا هُمْ بِضَائِرِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَبِئَعْلَمُونَ مَا يُصْرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط﴾ (البقرة: ۱۰۲)

”اور یہ (جادو گر لوگ) اس (جادو) کے ذریعے ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے۔“

آیت کے دونوں ٹکڑے بتا رہے ہیں کہ سحر ایک ضرر ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سحر کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو عقل و تمیز اور قلب پر اثر کرتا ہے۔ دوسرا اُس کا اثر ظاہر اعضاء جسم پر ہوتا ہے پس نبی اکرم ﷺ پر جو سحر ہوا وہ دوسری قسم کا تھا۔ چنانچہ قاضی عیاض نے فرمایا:

ان السحر انما تسلط على ظاهره و جوارحه لا على قلبه و اعتقاده وعقله . (الشفاء/ ۱۸۷)

”جادو کا اثر آپ (ﷺ) کے ظاہر اعضاء بدن پر ہوا تھا۔ نہ کہ آپ کے دل، اعتقاد اور عقل پر۔“

معلوم ہوا کہ سحر ایک مرض تھا، جس طرح اور امراض میں نبی اکرم ﷺ مبتلا ہوئے۔ سر میں درد ہوا، بخار آیا، زہر کا اثر ہوا، اسی طرح ایک بار مرض سحر میں بھی مبتلا ہوئے اور یہ سب لوازمات بشریہ میں سے ہیں۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

قد انکر هذا طائفة من الناس وقالوا: لا يجوز هذا عليه وظنوه نقصا و عيبا وليس الامر كما زعموا، بل هو من جنس ما كان يعتریه ﷺ من الاسقام والواجاع وهو مرض من الامراض، واصابته به كاصابة بالسم لافرق بينهما..... قال القاضي عياض: والسحر مرض من الامراض وعارض من العلل يجوز عليه ﷺ كانواع الامراض مما لا ينكر ولا يقدر في نبوته. (زاد المعاد ۳/ ۷۶۷)

”لوگوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کا تسلیم کرنا جائز نہیں۔ اسے یہ لوگ نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ (جو ایک نبی کی شان سے بعید ہے) حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا انھوں نے سمجھا ہے بلکہ وہ (سحر) ان امراض و بیماریوں اور تکلیفوں کی جنس سے ہے جو نبی ﷺ کو پیش آئیں۔ جس طرح آپ ﷺ پر زہر کا اثر ہوا اسی طرح سحر کا بھی ہوا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں..... قاضی عیاض فرماتے ہیں: سحر ایک مرض ہے اور دیگر امراض کی طرح اس کا نبی ﷺ پر اثر کرنا جائز ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے آپ ﷺ کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔“

اور اس سحر کا مرض ہونا خود حدیث بخاری سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ دو

فرشتوں میں سے ایک نے پوچھا:

(( مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ )) یعنی اس شخص کو کیا بیماری ہے؟

تو دوسرے نے کہا: ((مَطْبُوبٌ)) (بخاری، الطب، السحر، ح: ۵۷۶۳)  
 ”ان پر جادو ہوا ہے۔“

مختار الصحاح میں ہے:

الوجع المرض - طب لفظ لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنی داء اور دوا دونوں کے ہیں اور بمعنی جادو بھی آتا ہے۔ پس معنی ہوئے کہ انھیں سحر کی بیماری ہے۔ آخری روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:  
 ((أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللَّهُ))

(بخاری، بدأ الخلق، صفة ابليس، ح: ۳۲۶۸)

”اللہ نے مجھے شفا دے دی۔“

اور ظاہر ہے کہ شفا مرض ہی سے ہوتی ہے کیونکہ مرض کی ضد شفا ہے۔ ظاہر ہے کہ مرض سے عصمت اور امور تبلیغی پر کوئی اثر، نقصان وغیرہ کا واقع نہیں ہوتا جیسے نیند یا بخار کی غفلت یا نسیان عارضی کا عصمت پر اور امور تبلیغی پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح کا سحر بھی ہے۔  
 مسطور:

نبی اکرم ﷺ کے حق میں جو مسحور کا لفظ اس آیت ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝﴾ (۲۵ / الفرقان: ۸) (تم صرف ایک مسحور آدمی کی اتباع کر رہے ہو) میں آیا ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ پر سحر تسلیم کرنے سے کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔  
 سوال اول کی دو شقیں ہیں:

۱: لفظ مسحور کی تحقیق جو قرآن میں وارد ہوا ہے۔

۲: حقیقت سحر النبی اور اس کا اثر۔

پس واضح ہو کہ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی بابت مقولہ کفار ﴿رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ دو مقامات (بنی اسرائیل، الفرقان) پر منقول ہے۔

میری تحقیق اس مسئلہ کے متعلق یہ ہے کہ قرآن مجید عرب کے محاورے میں نازل ہوا ہے

اور عرب العرباء کبھی اسم مفعول کے لیے اسم فاعل کا لفظ بولتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ہے۔  
عیشة راضیة بمعنی مرضیة۔ مادۃ بمعنی ممدوءة

اسی طرح کبھی اسم فاعل کے لیے اسم مفعول کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے مملک  
مرطوب (تری والا ملک) مکان مہول (خوف دلانے والی جگہ) جاریۃ مغنوجۃ (ناز  
کرنے والی لڑکی)

خود قرآن میں اس کی مثال ﴿حَجَابًا مَّسُورًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۴۵) ہے:

قال الاخفش: المستور ههنا بمعنی الساتر فان الفاعل قد  
تجىء بلفظ المفعول كما يقال انك لمشؤم علينا و ميمون  
وانما هو شائم و يامن .

اخفش کہتے ہیں کہ مستور سے یہاں ساتر (ڈھانپنے والا) مراد ہے، اسم فاعل کبھی مفعول  
کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے مشؤم شائم (نخوست والا) کے معنی میں جبکہ ميمون  
يامن (برکت والا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح ہر دو مقام پر مسحور بمعنی ساحر ہے اور اس پر چند دلیلیں ہیں:

۱: کفار مکہ عام طور سے نبی اکرم ﷺ کو ساحر کہتے تھے نہ کہ مسحور، سورۃ یونس میں ان کا مقولہ  
نبی اکرم ﷺ کی نسبت ﴿لَسِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (آیت ۲) منقول ہے اور سورۃ ص میں  
﴿سِحْرٌ كَذَّابٌ﴾ (آیت ۴) ہے۔ پس فقوائے تفسیر کلام اللہ اقرب الی الصواب  
(تفسیر کبیر جلد ۳) دونوں جگہوں میں مسحور بمعنی ساحر ہے۔

۲: سورۃ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کی بابت بھی فرعون کا مقولہ یوں منقول ہے:

﴿إِنِّي لَأظنُّكَ يَهُودِيٌّ مَّسْحُورًا﴾ (آیت: ۱۰۱)

”یقیناً میں تو تجھے اے موسیٰ! جادو زدہ سمجھتا ہوں۔“

حالانکہ سارے قرآن میں فرعون اور اس کی قوم کا مقولہ جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کو  
ساحر کہتے تھے۔ سورۃ الاعراف و سورۃ الشعراء میں ﴿لَسِحْرٌ عَلَيِّمْ﴾ آیا ہے۔ (دیکھیے

سورة الاعراف: ۱۰۹؛ الشعراء: ۳۴)

سورة المؤمن میں ﴿سِحْرٌ كَذَّابٌ﴾ (آیت ۲۴) آیا ہے۔  
 سورة الذاریت میں ﴿سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ﴾ (آیت ۳۹) آیا ہے۔  
 سورة الزخرف میں ﴿يَا أَيُّهَا الشُّجْرُ﴾ (آیت ۴۹) منقول ہے۔  
 سورة ط میں ﴿بِسِحْرِكَ يَمْوَسِي﴾ (آیت ۵۷) اور ﴿إِنْ هَذَا مِنْ لِسِحْرِنِ﴾  
 (آیت ۶۳) آیا ہے۔

سورة ط اور شعراء میں ﴿إِنَّكَ لَكَيْدٌ كَرِيمٌ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ (طہ: ۷۱؛

الشعراء: ۴۹) وارد ہے۔

پس جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہتے تھے تو سورة بنی اسرائیل میں فرعون کے مقولہ منقولہ میں مسحور کو ساحر کے معنی میں لینا ہوگا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی بابت کفار کا مقولہ جو ﴿رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ (۴۵:۱۷) ہے۔ یہاں بھی مسحور کو ساحر کے معنی میں ماننا پڑے گا۔ فراء نحوی کا بھی یہی موقف ہے کہ یہاں مسحور بمعنی ساحر ہے۔  
 تفسیر کبیر میں ہے کہ فراء کہتے ہیں:

ان المسحور بمعنی الساحر كالمشثوم والميمون .

”مسحور ساحر کے معنی میں ہے جیسے مشثوم اور ميمون کے الفاظ ہیں۔“

پس جب مسحور بمعنی ساحر ہوا تو حدیث متفق علیہ (نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا گیا) اس آیت کے مخالف نہیں ہوئی اور نہ کوئی ظلم و کفر لازم آیا اور اگر کوئی صاحب محاورہ عرب سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے ان تینوں دلیلوں کو ماننے پر آمادہ نہ ہوں تو کم سے کم انھیں اپنے فہمیدہ معنی کی اصلاح کر لینی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ مسحور کے معنی ان مقامات میں (جادو کیا گیا) نہیں ہے بلکہ ”جادو دیا گیا“، یعنی کفار نے کہا کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرو گے جسے جادو کا علم دیا گیا ہے۔ یعنی وہ ساحر ہے۔ چنانچہ مشہور مفسر علامہ ابن جریر طبری رضی اللہ عنہ نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ ابن جریر طبری نے کہا:

معناه أعطيت علم السحر فهذه العجائب التي تاتي بها من

ذلك السحر .

”مسحور کے معنی یہ ہیں تو جادو دیا گیا ہے۔ پس یہ عجائبات (معجزات) اسی جادو کا نتیجہ ہیں۔“

۳: نیز کفار نے نبی اکرم ﷺ کو بشر بھی کہا ہے:

﴿قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۗ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۹۴)

”انہوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿فَقَالُوا أَبَشْرٌ يَهْدِيُنَا وَنَنَا ۗ﴾ (۶۴/ التغابن: ۶)

”تو انہوں نے کہا: کیا بشر ہماری راہنمائی کریں گے!“

لہذا آیت ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ﴾ (۱۸/ الکہف: ۱۱۰) (فرما دیجیے کہ میں تم جیسا

ایک بشر ہی ہوں) اور حدیث ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنَسَى كَمَا تَنْسَوْنَ))

(مسلم، المساجد، السهو فی الصلاة..... ح: ۵۷۲) (میں تو ایک بشر ہوں جس طرح تم

بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سے آپ ﷺ کا بشر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے

چونکہ کفار کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ لہذا احادیث کے ساتھ ان آیات کو بھی نہیں ماننا چاہیے!

۴: کفار نے نبی اکرم ﷺ کو رسول بھی کہا:

﴿قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۗ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۹۴)

”انہوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمَشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط﴾

(۲۵/ الفرقان: ۷)

”اور انہوں نے کہا: اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔“

آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ط﴾ (۴۸/ الفتح: ۲۹) (محمد اللہ کے رسول ہیں) اور

حدیث ((أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)) (بخاری، الاذان، التشهد فی الآخرۃ

..... ح: ۸۳۱) (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں) سے آپ ﷺ کا

رسول ہونا ثابت ہوتا ہے، اس سے چونکہ کفار کے قول سے اتفاق ہو جاتا ہے۔ لہذا اس آیت اور حدیث کو تسلیم نہیں کیا جائے گا!

۵: کفار نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سب باتوں پر فرماتا ہے:

﴿أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ①﴾

(۲۵ / الفرقان: ۹)

”دیکھیے اُنھوں نے آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کی ہیں، تو وہ گمراہ ہو گئے، پس اب وہ کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔“

لہذا آیت ﴿كَانَ أَيُّكُمْ يَكْفُرُ﴾ (۵ / المائدة: ۷۵) (وہ دونوں کھانا کھاتے

تھے) اور حدیث عن ابی ایوب کان رسول اللہ ﷺ اذا أتى بطعام اكل منه (مسلم، الاشربة، اباحة اكل الثوم.....ح: ۲۰۵۳) (ابوایوب سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا تو آپ نے تناول کیا) سے آپ ﷺ کا کھانا کھانا ثابت ہے۔ اس سے چونکہ کفار کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ضلالت قرار دیا ہے، لہذا یہ آیت اور حدیث ناقابل تسلیم ہیں! ورنہ پھر تو الزام کفار کو غلط نہیں کہا جاسکے گا۔



## نبی ﷺ پر جادو کو قرآن کے خلاف قرار دینے کی مغالطہ انگیزی (از شہباز حسن)

نبی اکرم ﷺ پر جن احادیث میں جادو کیے جانے کا بیان ہے۔ انہیں منکرین حدیث خلاف قرآن کہہ کر بہت اچھالتے ہیں۔ اس پر کبھی ”اصل بات تو وہ ہے جو قرآن کے خلاف نہ ہو“ کا عنوان قائم کرتے ہیں اور کبھی ”آپ ﷺ پر جادو ہونے کے سلسلے میں بخاری کی تفصیل اور قرآن کی تردید“ کی سرخی جماتے ہیں۔ اور یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم نے مخالفین کو لاجواب کر دیا ہے لہذا وہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں جیسا کہ اس عنوان سے ظاہر ہے: قرآن کی بات اگر دلائل و براہین سے پیش کی جائے تو پھر وہ تو چپک جاتی ہے۔

(مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل) ص: ۲۳۲)

﴿إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ (۱۷ / بنی اسرائیل: ۴۷)

کی وضاحت میں اس بات پر منکرین حدیث بہت زور دیتے ہیں کہ ”کفار کا قول ہے“ ”قرآن خود یہ بتا رہا ہے کہ کفار کا قول تھا“ ”قرآن کی اس کی نفی کر رہا ہے یہاں یہ کفار کا قول بتا رہا ہے۔“ کفار کا حضور ﷺ کے خلاف یہ قول ہے کہ ﴿رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ (۱۷ / بنی اسرائیل: ۴۷) ہے۔“ وغیرہ۔ (ایضاً ص: ۲۳۲-۲۳۳)

جس سے وہ یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ قول کفار کے مطابق آپ پر رجل مسحور تھے جبکہ حدیث میں بھی آپ کو رجل مسحور بتایا گیا ہے تو اس طرح تو یہ کفار کے قول کی تصدیق یا موافقت ہوئی۔ غلام احمد پرویز لوگوں سے دریافت کرتے ہیں:

”آپ کو معلوم ہے عزیزان! کہ آپ کے ہاں کا عقیدہ کیا ہے اور کہاں سے وہ آیا ہوا ہے۔ بخاری شریف میں حضور کے متعلق یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر معاذ

اللہ ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا۔ آپ اس جادو کے اثر میں آگئے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ آپ کو یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے یا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے نماز بھی پڑھ لی یا نہیں۔ ”اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے“ قرآن اس کی نفی کر رہا ہے۔ یہاں پہ کفار کا قول بتا رہا ہے۔ عزیزان من! آپ کی معتبر ترین کتاب بخاری کی ہے۔ اس میں یہ چیز ہے کہ رسول ﷺ کے اوپر کسی یہودی نے جادو کر دیا تھا اور بڑی لمبی تفصیل ہے کہ جادو کیسے کر دیا تھا، کس طرح سے آپ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی آپ ﴿رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ معاذ اللہ! بن گئے تھے۔ پھر کس طرح سے یہ پتا لگایا، کس طرح سے لوگوں کو وہاں بھیجا یہاں وہ تعویذ کا لاجادو کیا ہوا کنوئیں میں سے نکالا، پھر اس کا اثر زائل ہوا۔ یہ ساری تفصیل دی ہوئی ہے۔ یہاں قرآن یہ کہتا ہے کہ کفار کا حضور ﷺ کے خلاف یہ قول ہے کہ وہ ﴿رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ ہے اور یہ کالا جادو لگائے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔“ (ایضاً)

حضور ﷺ پر جادو کیے جانے کے سلسلے میں پرویز کسی بھی قسم کی مفسرین کی پیش کردہ Justification ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ اس حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں! اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے:

”اس سے اس لیے انکار ہے کہ اول تو بہر حال عقل و بصیرت کی بناء پر یہ چیز آجاتی ہے۔ عقیدت و احترام کو تو چھوڑیے، عزیزان من! خالص اس بناء پر یہ لیجیے کہ جو شخص دنیا کے اندر اتنا عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، لاکھوں انسانوں کے دل کے اندر اور پھر باہر کی دنیا کے اندر بھی اتنا عظیم انقلاب پیدا کرتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے۔ جادو کا مارا ہوا انسان خود تو وہ کسی اور کے لیے یہ کچھ کرنا ایک طرف رہا، اپنے لیے بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ جسے یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ میں نے نماز بھی پڑھ لی یا نہیں، وہ اتنی عظیم مملکت کا بھی انتظام کر لے گا؟ کتنے عظیم انسانوں کے قلب و نگاہ کی دنیا کو بدل کے رکھ دے گا۔ کیا وہ ﴿رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ ہوگا؟ معاذ اللہ! نہیں، قطعاً نہیں۔“ (ایضاً ص: ۲۳۳)

”دلائل و براہین“ کی بات کرتے ہوئے پرویز صاحب گویا ہوئے:

میری تو سند یہ ہوتی ہے کہ کیا قرآن کریم یہ کچھ کہتا ہے یا یہ کفار مخالفین آپ کے خلاف آ کر اس قسم کی کفری باتیں کرتے تھے کہ یہ ﴿رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ ہے؟ یہ ان پہ جادو کر دیا؟ قرآن خود یہ بتا رہا ہے کہ کفار کا قول تھا۔ آپ ہم سے کہتے ہیں کہ مانیے کہ ہاں آپ ﴿رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ تھے اس پر کوئی کیا کرے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ نہ کوئی دلیل ہے، نہ کوئی برہان ہے، نہ محفوظ بات کو رد کر سکتے ہیں۔ (مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل) ص: ۲۳۳) آگے چل کر پرویز پوچھتے ہیں: اس پر بخاری کی اس حدیث کو کوئی کیا کرے۔

(ایضاً ص: ۲۳۴)

احمد مصطفیٰ مراغی بھی حضور ﷺ پر سحر کے اثرات کی نفی اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو مشرکین کا قول ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ (۱۷: ۷۷) درست ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر المراغی: جزء ۳۰ ص: ۲۶۸)

سید قطب نے اس سلسلے کی احادیث کو اس لیے بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ ہذہ الروایات تخالف اصل العصمة النبویة فی الفعل والتبلیغ ”یہ روایات فعل و تبلیغ میں عصمت نبوت کے منافی ہیں۔“ (سید قطب: ۱۰ / ۲۹۴، مطبعة عیسیٰ البابی الحلیبی، مصر)

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر جادو کیے جانے کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ یہ احادیث صحیح بخاری، مسلم، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی مقامات پر آئی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا اور کیفیت یہ ہوئی کہ نبی ﷺ سمجھنے لگے کہ فلاں کام آپ نے کر لیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا تھا اور نبی ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی تھی، پھر آپ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے، اللہ نے مجھے وہ بات بتادی ہے جو میں نے اس سے پوچھی تھی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ خواب کیا ہے؟

فرمایا: میرے پاس دو مرد آئے اور ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے پاس۔ پھر ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا:

ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟

دوسرے نے جواب دیا، ان پر جادو ہوا ہے۔

پہلے نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟

جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے۔

پوچھا: وہ جادو کس چیز میں ہے؟

جواب دیا کہ کنگھی پر کھجور کے خوشہ میں۔

پوچھا: وہ ہے کہاں؟

کہا کہ ذروان میں اور ذروان بنی زریق کا ایک کنواں ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا

کے پاس دوبارہ واپس آئے تو فرمایا:

واللہ! اس کا پانی تو مہندی سے نچوڑے ہوئے پانی کی طرح تھا اور وہاں کے کھجور کے

درخت شیطان کے سر کی طرح تھے۔

بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور انھیں کنوئیں کے متعلق بتایا۔

میں نے کہا: اللہ کے رسول! پھر آپ نے اسے نکالا کیوں نہیں؟

نبی ﷺ نے فرمایا:

مجھے اللہ نے شفا دے دی اور میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ لوگوں میں ایک بری چیز

پھیلاؤں۔ (بخاری، الدعوات، ۸۰، تکریر الدعاء، ۵۷، ح: ۶۳۹۱، نیز دیکھیے الطب، ۷۶، السحر، ۴۷، ح:

۶۳۵۷، هل يستخرج السحر، ۴۹، ح: ۵۷۶۵، ح: ۵۷۶۶، الادب، ۷۸، ۵۶، ح: ۶۰۶۳، الجزية

والموادعة، ۵۸، هل يعفى عن الذمي اذا سحر، ۱۴، ح: ۳۱۷۵، مسند احمد، ۶/۵۷، ۶۳-۶۴، ۹۶)

اس روایت میں ”آپ کو خیال گزرتا“، ”ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟“ اور ”اللہ نے

مجھے شفا دے دی ہے“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جادو سے صرف جسمانی تکلیف ہی محسوس کرتے تھے۔ یعنی جادو کا اثر صرف آپ ﷺ کی ذات تک ہی محدود تھا، نبوت و رسالت اس اثر سے محفوظ تھی۔ آپ ﷺ نے جادو کے اثر سے کوئی شرعی حکم یا عمل ترک نہیں کیا۔ پرویز نے جو صحیح بخاری کے حوالے سے یہ کہا کہ آپ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ”حتیٰ کہ یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے نماز پڑھ لی یا نہیں“ یہ وہی ”علمی دیانت“ ہے جس کا مظاہرہ وہ اکثر اپنی تالیفات میں کرتے رہتے ہیں۔ نبی ﷺ پر جادو کے اثر کرنے کی بنیاد پر انھوں نے ”جادو کا مارا ہوا انسان“ کے الفاظ غلو و مبالغہ آرائی کرتے ہوئے استعمال کیے ہیں۔ جو کہ علمی خیانت ہے۔

حالانکہ اس سلسلے کی بخاری کی کسی بھی حدیث میں اس بات کا تذکرہ موجود نہیں کہ آپ کو نماز پڑھنے نہ پڑھنے کا بھی یاد نہیں رہتا تھا۔ اوپر بیان کردہ حدیث میں ”آپ سمجھنے لگے کہ فلاں کام آپ نے کر لیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا تھا“ کا تذکرہ ہوا ہے۔ ایک حدیث بخاری میں

کان یخیل الیہ انہ صنع شیئا ولم یصنعه (ح: ۳۱۷۵) کے الفاظ ہیں۔

بخاری کی باقی احادیث میں بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔ ایک حدیث میں یخیل الیہ انہ یاتی اہلہ ولا یاتی (ح: ۶۰۶۳) کے الفاظ آئے ہیں۔ بخاری کی ایک اور حدیث میں حتیٰ کان یری انہ یاتی النساء ولا یاتیہن (ح: ۵۷۶۵) کے الفاظ ہیں، لیخیل الیہ انہ یفعل الشیء وما فعلہ (ح: ۵۷۶۶) کے الفاظ ایک حدیث میں موجود ہیں۔

اس معنی و مفہوم کے الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ (مسند احمد ۶/ ۵۷، ۶۳، ۹۶)

ان حوالہ جات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر جسمانی حد تک تھا روحانیت اس سے متاثر نہیں ہوتی تھی۔ اسی لیے آپ کی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ آپ ﷺ پر جادو کیے جانے کے واقعہ سے واقف تک نہ تھے۔ امہات المؤمنین میں سے بعض اس سحر کے اثرات سے واقف تھیں۔ جب یہ اثرات جسم کی حد تک تھے تو سحر کے نبی ﷺ پر اثر کر جانے کو عصمت نبوت کے منافی کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے!

پھر یہ بات قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے کہ وحی الہی میں کوئی شیطانی اثر نہیں ہو سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَعَىٰ أَلْفَىٰ الشَّيْطٰنُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۗ فَيَلْسَنُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهِ ط﴾

(۲۲/ الحج: ۵۲)

”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ جب کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو شیطان ڈالتا ہے اللہ اسے دُور کرتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہے۔“

لہذا رسول پر جو بھی جسمانی عوارض طاری ہوں ان سے وحی الہی اور احکام ربانی کو نقصان پہنچنے کا کوئی احتمال نہیں، مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ جادو شریعت کے احکام پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اثر محض آپ کی ذاتی حیثیت تک محدود رہا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت تک آدھے سے زیادہ قرآن نازل ہو چکا تھا۔ عرب کے لوگ اس وقت دو متوازی فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ جن میں ایک فرقہ یا تو مسلمان تھا یا مسلمانوں کا حلیف اور دوسرا فرقہ ان کے مخالف۔ اگر اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر شریعت میں اثر انداز ہوتا۔ یعنی کبھی آپ نماز ہی نہ پڑھاتے یا ایک کے بجائے دو پڑھادیتے یا قرآن کی آیات خلط ملط کر کے یا غلط سلط پڑھتے یا کوئی اور کام شریعت منزل من اللہ کے خلاف سرزد ہوتا تو دوست و دشمن سب میں یعنی پورے عرب میں اس کی دھوم مچ جاتی۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہو کہ اس اثر سے آپ کے شرعی اعمال و افعال میں کبھی حرج واقع ہوا ہو۔“ (مولانا عبدالرحمن کیلانی: آئینہ پرویزیت، ص: ۷۲۷، ط: ۲۰۰۴ء، مکتبۃ السلام، ون پورہ لاہور)

اگر جسم پر سحر کے اثر کی وجہ سے عصمت نبوت پر حرف آتا ہو تو موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا اثر نہ ہوتا جبکہ یہ بات تو قرآن سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ بَلْ الْقَوَاجِ فَادَا حِبَالُهُمْ وَعَصِيْبُهُمْ يُخَيِّلُ الْاَيْهَ مِنْ سَحْرِهْمُ  
اَنهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهٖ خِيفَةً مُّوسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ  
اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾﴾ (طہ: ٦٦-٦٨)

”موسیٰ نے کہا: تم ہی ڈالو۔ ڈالتے ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں تو موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو۔“

معلوم ہوا موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا مگر جادو کی وجہ سے کفار ان پر غالب نہ آسکے تھے۔ اسی طرح جادو کرنے سے یہودی آپ ﷺ پر غالب نہیں آگئے تھے بلکہ مسلسل دشمنان پیغمبر ذلیل سے ذلیل تر ہوتے گئے۔

آیات مذکورہ میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے يُخَيِّلُ الْاَيْهَ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور بالکل یہی الفاظ اوپر بیان کردہ احادیث میں نبی ﷺ کے لیے آئے ہیں۔ اگر جادو کے اثر ہونے سے موسیٰ علیہ السلام کو رَجُلٌ مَسْحُورٌ کہنا درست نہیں تو پیغمبر علیہ السلام کو بھی ﴿رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ کہنا درست نہیں جیسا کہ پرویز باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی فرعون نے مسحور کا لفظ استعمال کیا تھا:

﴿فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاظُنُّكَ اِيْمُوْسٰى مَسْحُورًا ﴿١٧﴾﴾

(١٧/ الاسراء: ١٠١)

اور نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی انھوں نے مسحور کا لفظ استعمال کیا تھا:

﴿اِذْ يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ﴿٤٧﴾﴾

(١٧/ الاسراء: ٤٧)

دوسری آیت میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنَّ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ ﴾

(۲۵ / الفرقان: ۸)

فرق صرف اتنا باقی رہ جاتا ہے کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام پر جو جادو کا اثر (یخیل الیہ) ہوا تھا اس کا ذکر قرآن میں ہے جبکہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر جو جادو کا اثر (یخیل الیہ) ہو گیا تھا، اس کا تذکرہ احادیث نبویہ میں ہے۔ مگر پرویز صاحب کہتے ہیں:

بخاری کی اس حدیث کو کوئی کیا کرے۔

(مطالب الفرقان فی دروس القرآن (سورۃ بنی اسرائیل) ص: ۲۳۴)

کیا انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پرویز کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کو مسحور کرنے کا قول تو کفار کا تھا لہذا قرآن کی ان آیات کو کوئی کیا کرے جو یہ بیان کرتی ہیں کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے جسم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا اور وہ ڈر گئے تھے؟؟

عبداللہ بن علی نجدی قصیمی لکھتے ہیں:

فتغیر قدامہ الاشیاء ویظنہا علی غیر ما ہی علیہ فالایۃ مثل

الحدیث (عبداللہ بن علی النجدی القصیمی: مشکلات الاحادیث النبویۃ

وبیانہا، ص: ۵۶، ط: ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء، المجلس العلمی السلفی، لاہور)

”موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے سامنے چیزوں کی ماہیت بدل گئی پس آیت حدیث کی طرح ہے۔“

پرویز نے جس انداز سے احادیث سحر کی تردید کی ہے، اس سے تو قرآن کی تردید کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ حدیث کی مخالفت میں ایسا ہونا بعید بھی نہیں ہے۔

حدیث بخاری کو قرآن کے خلاف قرار دینے سے پہلے اگر پرویز نے ”خالی الذہن“ ہو کر رجلا مسحورا اور اس جیسی دیگر آیات کے سیاق و سباق پر غور کیا ہوتا تو ان پر ان الفاظ کے کہنے کا مقصد واضح ہو جاتا ہے اور وقتی طور پر جسم پر جادو کے اثر کر جانے اور مسحور ہونے کا فرق بھی کھل جاتا ہے۔

کفار نے جو نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یا دیگر انبیاء کو مسحور یا مسخر کہا تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انبیاء

کی نبوت کا دعویٰ جادو کے اثر کی وجہ سے ہے۔ وہ انبیاء و رسول ﷺ کے پیش کردہ شرعی احکام یا معجزات کو جادو کا کرشمہ سمجھتے تھے۔ مثلاً جب ﴿تَسْعَ أَيْتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ (نو واضح نشانیاں) کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فرعون نے آپ کو مسحور (جادوزدہ) کہا تھا۔ (۱۰۱:۱۷)

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو دعوت تو حید دی تو قوم نے ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ﴾ (۱۵۳:۲۶) کے الفاظ سے انہیں جادوزدہ قرار دیا۔ اور ان کی نبوت کو اس لیے نہ مانا کہ ﴿مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ (۱۵۳:۲۶) ”تم اور کچھ نہیں ہماری طرح کے آدمی ہو۔“

اسی طرح کا جواب حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم نے دیا تھا۔ (۱۸۵:۲۶-۱۸۶)

نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی جہاں مسحور کا لفظ آیا ہے وہاں یہی بات تھی کہ وہ لوگ آپ کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور آپ کی تعلیمات کو جادو کا کرشمہ قرار دیتے تھے۔ توحید الہی کا بیان سن کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور سرگوشیاں کرتے تھے کہ تم تو مسحور آدمی کی پیروی کرتے ہو لہذا وہ گمراہ ہو گئے۔ (دیکھیے الاسراء: ۱۷، ۴۶، ۴۸)

دوسرے مقام پر تو اور بھی صراحت سے یہ بات بیان کی گئی کہ نبی اکرم ﷺ کے لیے کفار جو طرح طرح کے الفاظ استعمال کرتے تھے تو ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسا شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۝ أَوْ يُنْفِثُ إِلَيْهِ كَذِبًا أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۝ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝﴾

(۲۵ / الفرقان: ۷-۹)

”اور انھوں نے کہا یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا، یا

اس کی طرف خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالموں نے کہا کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ دیکھو تو یہ تمہارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں سو گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پاسکتے۔“  
تو کیا کفار کا نبی اکرم ﷺ کا معاذ اللہ ﴿رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ کہنا اور مسلمانوں کا معتبر احادیث کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ پر سحر کا جسمانی اور وقتی اثر تسلیم کرنا ایک جیسا ہے؟ بینہما بعد ساشع

یہاں ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ نبی ﷺ کو سحر کی وجہ سے بعض چیزیں یاد نہیں رہتی تھیں یہ کیفیت چند ماہ میں کبھی کبھی ہو جاتی تھی جبکہ سحر کے بغیر بھی انبیاء و رسل علیہم السلام کا نسیان ثابت ہے۔ وحی خفی کے انکار کے وقت منکرین حدیث ایسے دلائل کے انبار جمع کر دیتے ہیں تاکہ اپنا مقصود حاصل کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لیے نَسِيتُ (۱۸ / الکہف: ۶۳، ۷۳) ”میں بھول گیا“ کا لفظ استعمال کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی یوشع بن نون دونوں کے لیے نسیا (۱۸ / الکہف: ۶۱) (وہ دونوں بھول گئے) کا لفظ قرآن میں آیا ہے۔ آدم علیہ السلام کے لیے نَسِیَ (طہ: ۲۰: ۱۱۵) ”وہ بھول گیا“ کا لفظ قرآن میں ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ اذْکُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ﴾ (۱۸ / الکہف: ۲۴) اور ﴿فَلَا تَنْسِیْ﴾ (۸۷ / الاعلیٰ: ۶) فرما کر اَلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ کا استثناء کر کے نسیان کا اثبات کیا۔ مولانا عبداللہ بن علی القصیمی لکھتے ہیں:

فما كان جوابا لهم عن النسيان كان جوابا لنا عن السحر

(مشكلات الاحاديث النبوية وبيانها ، ص: ۵۳)

”جو جواب ان کا نسیان کے بارے میں ہوگا وہی ہمارا جواب سحر کے بارے میں ہوگا۔“  
انبیاء و رسل علیہم السلام کے نسیان کے باوجود تبلیغ رسالت میں کوئی حرف نہیں آیا اور نہ کوئی خلل واقع ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی مسلسل راہنمائی اور حفاظت کرتا تھا۔ اس لیے اگر ان سے کبھی کوئی لغزش ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی فوراً تصحیح کر دیتا۔

نبی اکرم ﷺ بھی بعض دفعہ بھول جاتے تھے مگر اس نسیان کی وجہ سے کوئی شرعی حکم متاثر نہیں ہوا، بلکہ آپ کے نسیان میں بھی امت کے لیے مکمل اسوہ حسنہ بننے کی حکمت موجود ہوتی تھی کہ امت بھی کسی عمل کی ادائیگی بھول جائے تو اسی طرح کرے جیسے پیغمبر ﷺ نے کیا تھا۔ بھولنے پر آپ کی کسی نہ کسی ذریعے سے یاد دہانی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح حالت سحر میں بھی آپ کا بھول جانا تبلیغ رسالت میں مغل نہیں ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری اپنے مقالے ”رسول اکرم ﷺ پر سحر کی حقیقت اور مفسرین“ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مفسرین کرام نے عمل سحر کے اثرات کی مطلقاً نفی نہیں کی۔ ہاروت ماروت کا جادو سکھانے کا واقعہ اور ساحرین فرعون کے جادو کے اثرات اثبات سحر کی نقلی دلیل ہیں۔ عقل و قیاس بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ اگر انبیاء کرام ﷺ کو زخم، بیماری اور بچھو کا کاٹنا تکلیف دے سکتا ہے تو جادو کے اثر سے جسمانی یا روحانی اذیت پہنچنا بھی ایسا ہی عمل ہے۔ ساحرین فرعون کے عمل سحر سے دیگر لوگوں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی خوف طاری ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور کہا کہ تم جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے پھینکو، یہ سب کچھ نکل جائے گی۔

احمد مصطفیٰ المراغی، سید قطب شہید اور امین احسن اصلاحی نے حضور اکرم ﷺ پر جادو کو عصمت انبیاء کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ عام طور پر خبر احاد ہیں۔ لیکن خود انہی بزرگوں نے کسی حد تک رسول اکرم ﷺ پر جادو کے اثرات کو درست بھی تسلیم کیا ہے۔ سید قطب حضور اکرم ﷺ پر جادو کی روایات میں سے کچھ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ تو اگر یہ متعدد روایات ہیں اور صحاح ستہ کی اکثر کتب میں مستند طور پر روایت کی گئی ہیں تو پھر ان کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محترم اصلاحی صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ انبیاء کرام پر جادو کے اثرات عارضی طور پر ہو سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عام طور پر جو مفسرین کرام حضور ﷺ سحر کی نفی کرتے ہیں۔ وہ اسے یکسر رد نہیں کرتے۔“

احادیث کی حیثیت کے بارے میں ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

”جہاں تک احادیث کے خیر احاد ہونے کا تعلق ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ خبر احاد کو محض اس لیے رد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی حیثیت خیر واحد کی ہے۔ خیر واحد کو ان بزرگوں نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ سب کی صحت پر اعتراض نہیں کیا۔ جہاں تک عصمتِ انبیاء ﷺ کا تعلق ہے، وہ اس سحر کے اثر سے متاثر نہیں ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ پر جادو کے اثرات جسمانی و ذاتی اور باطنی حد تک تھے۔ ان اثرات کو صرف حضور ہی محسوس کر رہے تھے۔ کسی اور پر ہرگز ظاہر نہ ہوتے تھے۔ البتہ جب آپ ﷺ نے بی بی عائشہ کے سامنے تفصیل بیان کی اور کنویں میں سے موادِ سحر کو نکالا گیا۔ تب اکثر لوگوں کو پتا چلا۔

جب تک آپ پر جادو کا اثر رہا آپ جسمانی و ذہنی کرب و تکلیف محسوس فرماتے رہے لیکن کسی فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہوئی۔“ (پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصور،

رسول اکرم ﷺ پر سحر کی حقیقت اور مفسرین، محدث (ماہنامہ) ص: ۶۱، فروری ۱۹۹۰ء)

اس ساری بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ منکرین حدیث احادیث کو رد کرنے کے لیے جس طرح انھیں قرآن کے خلاف قرار دیتے ہیں اسی انداز کو اگر وہ قرآن میں جاری و ساری کریں تو بہت سی آیات متضاد قرار پا کر ان کے نزدیک کالعدم ہو جائیں۔ ہاں اگر محدثین کے اصول پر چلیں تو کوئی بھی صحیح حدیث انھیں قرآن سے متصادم نظر نہیں آئے گی، بلکہ اکثر احادیث تفسیر القرآن بالحدیث کے اصول تفسیر میں قدم قدم پر فہم قرآن میں مدد کریں گی، مگر منکرین حدیث اور غلام احمد پرویز کے نزدیک صرف وہی حدیث صحیح ہو سکتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو۔ اس لیے تفسیر القرآن بالحدیث میں پرویز بعض احادیث بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ جو ان کے فہم قرآن کی تائید کرتی ہیں یا جن سے (بزعم خویش) مخالفین کو لاجواب کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تفسیر میں جو احادیث وہ بیان کرتے ہیں وہ صرف اپنے مطلب کی حد تک لیتے ہیں ورنہ اصول محدثین کے مطابق وہ کسی بھی حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے راقم الحروف کا پی ایچ ڈی کا

مقالہ: عربی لغت سے استدلال۔ اردو تفسیری ادب کے رجحانات)

## دجال

منکرین حدیث واقعہ دجال کو ایک فسانے سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بہت سی احادیث میں اپنی امت کو مسیح و دجال کے فتنے سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ روئے زمین کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا جس سے ہر ایک مسلمان دوچار ہوگا۔ مسیح کا مطلب ہے ممسوح العین کیونکہ اس کی ایک آنکھ نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دجال کو قتل کریں گے کیونکہ عربی میں کہا جاتا ہے:

”مَسَحَ اللَّهُ الْعِلَّةَ عَنِ الْعَلِيلِ“ ”اللہ نے بیمار کو بیماری سے شفا دی۔“

چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے عیسیٰ علیہ السلام مریض پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اور مسیح فلانا بالسيف کا مطلب ہے قتل کرنا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اسی وجہ سے انھیں مسیح کہا گیا ہے، اور عربی میں مسیح کا نا کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ دجال کا نا ہوگا۔ (بخاری، الفتن، ذکر الدجال، ح: ۷۱۳۱) اسی وجہ سے اسے مسیح کہا جاتا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی ایک جزیرے پر جا پہنچی۔ یہ جزیرہ قبرص (Cyprus) کے قریب تھا۔ اس جزیرے پر انھوں نے ایک جانور جسا سے دیکھا جس کا چہرہ انسان کا چہرہ تھا اور بدن پر بال بہت زیادہ تھے۔ مگر پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ اس کے بعد دجال کو دیکھا، جو بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

(مسلم، الفتن، قصة الجساسة، ح: ۲۹۴۲)

دجال یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہ ایران کے شہر خراسان سے نکلے گا، بعض کہتے ہیں کہ اصفہان سے نکلے گا۔ یہ بھی خراسان ہی کے قریب ہے اور ستر ہزار یہودی اس کے ساتھ ہو جائیں گے جو دجال کا لشکر ہوں گے۔ ان کے جسموں پر طیالہ یعنی طیلسانی (ہرے رنگ جیسے) کپڑے ہوں گے۔ (مسلم، الفتن، فی بقية من احاديث الدجال، ح: ۲۹۴۴)

دجال کے ہاتھوں بہت سی خرق عادت چیزوں کا ظہور ہوگا وہ ویران جگہ سے خزانہ نکال دے گا۔ مردے کو بظاہر زندہ کر دے گا۔ جنت و جہنم دکھائے گا مگر اس کی جنت جہنم ہوگی اور جہنم جنت ہوگی۔ جب یہ نکلے گا تو پہلے ایمان اور عمل صالح کی دعوت دے گا مگر بعد میں نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر (کافر) لکھا ہوا ہوگا جسے نہ صرف پڑھا لکھا ان پڑھ مسلمان بھی پڑھے لے گا البتہ کافر و منافق نہ پڑھ سکیں گے۔ (اگرچہ وہ کتنے ہی پڑھے لکھے ہوں۔)

پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، وہ دمشق (شام) میں منارہ شریفہ کے پاس اتریں گے۔ مہدی کا ظہور ہوگا جو بنی کے خاندان سے ہوں گے۔ وہ زمین کو عدل و سلامتی سے بھر دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور مہدی شریعت محمدیہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام دجال کا پیچھا کریں گے اور اسے فلسطین کے ایک مقام باب لد کے پاس قتل کریں گے۔ (دیکھیے بخاری، الفتن، ذکر الدجال، ح: ۷۱۳۰، ۷۱۳۱؛ مسلم، الفتن، ذکر الدجال، ح: ۲۹۳۷)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا ذکر فرمایا مگر دجال کا نام ذکر نہیں فرمایا!

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اشارتاً اس کا ذکر فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾

(۱۵۸/ الانعام)

”جس دن آپ کے رب کی کچھ نشانیاں ظاہر ہوں گی تو کسی کو اُس وقت ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔“

اس آیت کی تفسیر ایک حدیث اس طرح کرتی ہے:

ثلاث اذا خرجن یعنی تین چیزوں کا جب ظہور ہوگا تو کسی کو اُس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے۔ ایک ہے سورج کا مغرب سے نکلنا، دوسرا دابۃ الارض کا نکلنا، تیسرا دجال کا نکلنا۔

(ترمذی، التفسیر، و من سورة الانعام، ح: ۳۰۷۲)

## نسخ

منکرین حدیث قرآن میں نسخ کے بھی قائل نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا نُنسخ مِنْ آيَةٍ﴾ (البقرة: ۱۰۶)

”جو بھی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں۔“

قرآن میں نسخ کا بین ثبوت ہے۔

**ملحوظہ:**..... نسخ شیعہ کے عقیدے ”عقیدہ بداء“ کے خلاف ہے۔ بداء کا مطلب ہے کہ پہلے کوئی حکم دیا پھر اس حکم میں کسی غلطی یا نقصان کا علم ہوا تو اسے بدل دیا۔ بداء کے مفہوم میں غلطی اور خطا داخل ہے۔

نسخ کا مطلب ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے تو پہلے حکم کو حکمت بالغہ دوسرے حکم سے بدل دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور اس کی کتاب قرآن بھی حکمت والی کتاب ہے۔ ایک حکیم کسی مریض کے مرض کی تشخیص کے بعد جب اس کا علاج کرتا ہے تو مریض کی حالت جیسے جیسے بہتر ہوتی جاتی ہے وہ دوا بدلتا جاتا ہے۔ مرض کی ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک ہی دوا دیتے جانا حکمت کے خلاف ہے۔

نسخ سابقہ شریعتوں میں بھی رہا ہے۔ جیسے بہن بھائیوں کی شادی شریعت آدم علیہ السلام میں جائز تھی، بعد میں حرام ہو گئی۔

اسی طرح شریعت یعقوب علیہ السلام میں دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح درست تھا بعد میں اسے حرام قرار دیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ذبح کا حکم دیا پھر ذبح سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

قانون الہی کے نسخ میں انسانوں کے لیے بہت سی مصلحتیں ہیں۔ کوئی قانون کسی سبب کے تحت کوئی حکم نافذ کرتا ہے مگر جب سبب زائل ہو جاتا ہے تو اس حکم کو اٹھالیا جاتا ہے۔<sup>①</sup>

نبی اکرم ﷺ نے پہلے قربانیوں کے گوشت کے اذخار (ذخیرہ کرنے) سے منع فرمایا تھا مگر جب صحابہ میں معاشی خوشحالی آئی تو اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ (دیکھیے مسلم، الاضحی، بیان ما کان من النهی عن اکل لحوم الاضحی.....، ح: ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲) قرآن میں شراب کی حرمت کے نزول میں تدریج درحقیقت اسی حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نسخ کبھی صریحی، کبھی ضمنی، کبھی کلی اور کبھی جزئی ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایک مثال کو ذہن میں رکھنا کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۗ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ٥٧﴾

(۲/ البقرة: ۱۸۰)

”تم پر فرض کر دیا گیا، جب تم میں کسی کو موت آ پینچے، اگر اس نے کوئی مال چھوڑا ہو، اچھے طریقے کے ساتھ وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے، متقی لوگوں پر یہ لازم ہے۔“

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انسان مرتے وقت ماں باپ کے لیے ترکے میں وصیت کر سکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَوٰةِ النِّسَاءِ: ۱۱﴾ میں یہ حکم منسوخ کر دیا۔ یہ آیت پہلی آیت کے لیے نسخ ہے اور پہلا حکم منسوخ ہے، جمہور کی رائے یہی ہے۔

① وحی بند ہونے کے بعد اگر کسی حکم کا سبب بالفرض زائل بھی ہو جائے تو وہ حکم باقی رہے گا، کیونکہ اسے ختم کرنے کا اختیار امت میں سے کسی کے پاس بھی نہیں، اور نہ اس کی جگہ پر کوئی نیا حکم دیا جاسکتا ہے، کیونکہ منسوخ کرنا اور نسخ لانا وحی کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ جیسا سورۃ البقرۃ (آیت ۱۰۶) میں واضح کیا گیا ہے۔ (شہباز حسن)

## ظہور مہدی

ظہور مہدی اسلامی عقیدے کا ایک جزو ہے۔ اس کے بارے میں احادیث نبویہ تو اتر کے درجے تک پہنچ چکی ہیں۔ حوت بیروتی، رشید رضا، فرید وجدی وغیرہ اور مشہور مستشرق گولڈزیہر جیسے لوگوں نے ظہور مہدی کا انکار کیا ہے۔ انھوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ہی مہدی منتظر ہیں۔ جبکہ اسلامی عقیدے کی رو سے میں وہ حضرت فاطمہ بنتیؑ کی ذریت اور حسن بن علیؑ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام محمد یا احمد بن عبد اللہ ہوگا۔ وہ جب آئیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ہوگا۔

مہدی کی پوری دنیا میں بطور خاص عرب پر سات سال حکومت رہے گی۔ مہدی کی وفات کے بعد زمام خلافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اور انہی کے دور میں یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا اور انہی کی دعا سے یاجوج و ماجوج ہلاک ہوں گے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مہدی منتظر کے متعلق احادیث کی تعداد پچاس ہے۔ جن میں کچھ صحیح، کچھ حسن درجہ کی اور کچھ ذرا ضعیف ہیں۔ مہدی کے متعلق روایت کرنے والے صحابہ کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے۔ اور اس متعلق کم و بیش ۲۸ آثار بھی ہیں۔

مہدی کوئی ذاتی نام نہیں ہوگا، بلکہ لغوی معنی ”ہدایت یافتہ“ کے ہوں گے۔ ان کے ظہور کی کسی حتمی تاریخ اور دن کی صراحت نہیں ملتی۔ ہاں اس وقت روئے زمین پر عدل و انصاف نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ چاروں طرف ظلم و جور اور جبر و استبداد کا دور دورہ ہوگا۔ اس وقت لوگ مہدی کے منتظر ہوں گے۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ان کی علامات دیکھ کر انھیں پہچان لیا جائے

گا۔ اور پھر ان پر بیعت کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔

اس وقت مسلم حکومت جس کا دار الخلافہ دمشق ہوگا اسے اپنے خلاف بغاوت سمجھ کر مہدی سے لڑنے کے لیے نکلے گی۔ اور مکہ سے پہلے ہی ایک مقام بیداء میں ایک آدمی کو چھوڑ کر سارا لشکر دھنس جائے گا۔ (مسلم، الفتن، الخسف بالجیش الذی.....، ح: ۲۸۸۲-۲۸۸۴) وہی آدمی واپس جا کر اس واقعہ کی صحیح اطلاع دے گا۔ پھر یہ خبر پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔ اور سب لوگوں کو یقین ہو جائے گا کہ حقیقت میں مہدی منتظر یہی ہیں۔ اور لوگ جوق در جوق چل کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ بیعت کی شروعات رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان سے ہوگی۔ مہدی کو خود علم نہ ہوگا کہ وہ مہدی ہیں، یہاں تک کہ لوگ خود ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ وہ خود خلافت کے دعوے دار نہ ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی خلافت کا انتظام ایک ہی رات میں کر دے گا۔

(ابن ماجہ، الفتن، خروج المہدی، ح: ۴۰۸۵)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوں گے جن کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔ (ابو نعیم فی کتاب المہدی و ذکرہ المناوی فی فیض القدر، وهو صحیح، اس سے ملتی جلتی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، دیکھیے مسلم، الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم..... ح: ۱۵۶)

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ﷺ کی شریعت کے پابند بن کر اتریں گے۔ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئیں گے نہ عیسائیت ہی کے مبلغ ہوں گے۔

سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام غالب آ جائے گا۔

اللهم اعز الاسلام و المسلمین



## مولف کی تحریری کاوشیں

- ۱۔ احسن الحدال بجواب راہ اعتدال
- ۲۔ رد تقلید / تقلید کی شرعی حیثیت (تخریج شدہ)
- ۳۔ رفع الشکوک والا وہام بجواب ۱۲ مسائل ۲۰ لاکھ انعام
- ۴۔ دل (قلب) ۵۔ تفسیر آیت الکرسی
- ۶۔ تفسیر سورۃ اخلاص ۷۔ عورت اور اسلام
- ۹۔ پیارے نبی ﷺ کی پانچ پیاری نصیحتیں
- ۱۰۔ مختصر تاریخ اہل حدیث
- ۱۱۔ یا ایہا الذین امنوا کی تفسیر
- ۱۲۔ حجیت حدیث در رد موقف انکار حدیث
- ۱۳۔ گناہوں کی بخشش کے دس اسباب (زیر طبع)
- ۱۴۔ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ۱۰ وصیتیں (زیر طبع)
- ۱۵۔ مقاصد و تراجم ابواب بخاری (زیر طبع)
- ۱۶۔ نکات قرآن (۲ جلدیں - ایک ہزار صفحات) (زیر طبع)

مولف کی ویب سائٹ: www.Jalaluddinqasmi.com

## مولانا محمد ارشد کمال کی تحریری کاوشیں

- ۱۔ عذاب قبر کتاب و سنت کی روشنی میں (مطبوع)
- ۲۔ سیدنا ثعلبہ بن حاطب در عدالت انصاف (مطبوع)
- ۳۔ نیکیوں کو بر باد کرنے والے اعمال (مطبوع)
- ۴۔ گناہوں کو مٹانے والے اعمال (مطبوع)
- ۵۔ استقامت دین (مطبوع)
- ۶۔ تحفۃ السائلین (مطبوع)
- ۷۔ تفسیر سورۃ الحجرات (سوالاً جواباً) (مطبوع)
- ۸۔ حاضری نماز (مطبوع)
- ۹۔ عذاب قبر، قرآن مجید کی روشنی میں (مطبوع)
- ۱۰۔ تخریج احادیث مشکوٰۃ المصابیح (مطبوع)
- ۱۱۔ اسلامی مہینے اور ان کا تعارف (مطبوع)
- ۱۲۔ المسند فی عذاب القبر (مطبوع)
- ۱۳۔ القول القوی فی نقد الرجال (زیر طبع)
- ۱۴۔ ترجمہ قرآن مجید (زیر طبع)
- ۱۵۔ ہفتے کے دن اور ان کا تعارف (مطبوع)

## ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن کی تحریری کاوشیں

- ۱۔ فتاویٰ افکار اسلامی، ۳۱۳ سوالات کے جوابات (مطبوع)
- ۲۔ تفسیر معارف البیان، سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ (۱-۵۰ آیات کی تفسیر) (مطبوع)
- ۳۔ مظلوم صحابیات رضی اللہ عنہن، ظلم و ناانصافی کا شکار ہونے والی عورتوں کے لیے اسوہ صحابیات سے راہنمائی (مطبوع)
- ۴۔ شوقِ عمل، ارکانِ اسلام کی ترغیب (مطبوع) ۵۔ شوقِ جہاد (مطبوع)
- ۶۔ سجدہ تلاوت کے احکام اور آیات سجدہ کا پیغام (مطبوع)
- ۷۔ پریشانیوں اور مشکلات کا حل (حافظہ زہرا کا شرف شہباز حسن) (مطبوع)
- ۸۔ بدعات کا انسائیکلو پیڈیا (قاموس البدع کا ترجمہ و استدراک) (مطبوع)
- ۹۔ صداقتِ نبوت محمدی (دلائل النبوة از ڈاکٹر معتقد بن محمود السقار کا ترجمہ و تعلق) (مطبوع)
- ۱۰۔ غسل، وضو اور نماز کا طریقہ مع دعائیں (الوضوء و الغسل و الصلاة کا ترجمہ و تعلق) (مطبوع)
- ۱۱۔ مقام قرآن (میاں انوار اللہ شہباز حسن) (مطبوع)
- ۱۲۔ علوم اسلامیہ (پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی شہباز حسن) (مطبوع)
- ۱۳۔ اسلامی تعلیمات (پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد اسرائیل فاروقی شہباز حسن) (مطبوع)
- ۱۴۔ جہنم اور جہنمیوں کے احوال (النار حالها و احوال اهلها کا ترجمہ و تعلق) (مطبوع)
- ۱۵۔ خوش نصیبی کی راہیں (طریق الھجرتین از حافظ ابن قیم کا ترجمہ اور تلخیص و تعلق) (مطبوع)
- ۱۶۔ تفسیر میں عربی لغت سے استدلال کا منہج (اسلامیات میں پی ایچ ڈی کا مقالہ) (زیر طبع)
- ۱۷۔ جنت میں خواتین کے لیے انعامات (احوال النساء فی الجنة کا ترجمہ و تعلق) (مطبوع)
- ۱۸۔ اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات اور اعمال و اداب، شرح از بعین نووی (زیر طبع)
- ۱۹۔ فرقہ پرستی کے اسباب اور ان کا حل (الافتراق - اسبابها و علاجها کا ترجمہ و تعلق) (زیر طبع)
- ۲۰۔ دنیا ڈھلتی چھاؤں (الدنیا ظل زائل کا ترجمہ) (زیر طبع) ۲۱۔ اصول الکفرنی (ترجمہ) (مطبوع)
- ۲۲۔ التأثیر الاسلامی فی شعر حالی (عربی زبان و ادب میں عربی مقالہ) (زیر طبع)
- ۲۳۔ انسان اور قرآن (میاں انوار اللہ شہباز حسن) (زیر طبع)

## نظر ثانی شدہ کتب

- ۱۔ اردو ترجمہ قرآن مجید از مولانا محمد ارشد کمال ۲۔ صحیح ابن خزیمہ (ترجمہ و شرح)
- ۳۔ مشکوٰۃ المصابیح (ترجمہ) ۴۔ حدیث اور خدام حدیث از میاں انوار اللہ
- ۵۔ الاساء الحسنی از میاں انوار اللہ ۶۔ المسند فی عذاب القبر از مولانا محمد ارشد کمال
- ۷۔ عذاب قبر، قرآن کی روشنی میں از مولانا ارشد کمال ۸۔ ذکر اللہ کے فوائد از پروفیسر عنایت اللہ مدنی
- ۹۔ تقلید کی شرعی حیثیت از حافظ جلال الدین قاسمی ۱۰۔ حقانیت اسلام، از پروفیسر محمد اس
- ۱۱۔ منکرین حدیث کی مغالطہ انگیزیوں کے علمی جوابات از حافظ جلال الدین قاسمی